# ہمارے عقائد

مصنف:
آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ادارہ تعلیم و تربیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ھمارئے عقائد

(شیعہ عقائد کی مختصر وضاحت)



مؤلف

آیت اللہ مکارم شیرازی

ناشر

ادارہ تعلیم و تربیت لاھور

## مقدمہ ناشر

### بسم اللہ الرحمن الرحیم

الذین یبلغون رسالات اللہ و یخشونہ و لایخشون احداً الا اللہ
و کفی باللہ حسیباً (سورہ احزاب، آیت ۳۹)



اسلام ادیان الٰہی میں سے سب سے کامل اور حیات بخش دین ہے، جو اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں بہت سے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد یہ ثابت کر چکا ہے کہ وہ پہلے کی طرح اب بھی ثابت و استوار ہے۔ اس نے انسانی معاشروں کے تمام شعبوں میں اپنے وجود کو منوایا ہے۔

وہ پیشرفت اور ترقی جو وحدت مسلمین اور لائق رہبری کے سائے میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی تھی، وہ کچھ مدت کے بعد ایک رہبر کی رہنمائی سے محرومیت اور قیادت میں ضروری صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے تنزل کا شکار ہو گئی اور یوں دین اور انسانیت کے دشمنوں کے لئے میدان خالی ہو گیا۔

علماء اسلام نے اس تمام مدت میں پوری کوشش کی کہ مکتب الٰہی کو زندہ رکھیں اور اس راہ میں انہیں بہت سے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ علم و ایمان کے مجسم ان بزرگ علماء کی یہ عظیم جدوجہد عصر حاضر میں آہستہ آہستہ ثمرآور ہو رہی ہے اور پوری دنیا پر حاکمیت دین کے سلسلے میں خدائے قادر متعال کی خوشخبری کے وقوع پذیر ہونے کی نوید سنا رہی ہے۔ اس دور میں جب خالص اسلامی ثقافت پر شرق و غرب کی استکباری طاقتیں حملہ آور ہیں تمام مسلمانوں اور بالخصوص نوجوان نسل کے لئے احکام و معارف الٰہی کو سیکھنے کی ضرورت و اہمیت سب پر واضح و آشکار ہے۔

ادارہ " جس کا ہدف رسالت الٰہی کی تبلیغ اور دشمن کی ثقافتی یلغار کو روکنا ہے، چاہتا ہے کہ اس راہ میں قدم بڑھائے۔ موجودہ کتاب اس سلسلے میں کی گئی کوششوں کا ایک ثمر ہے، امید ہے ارباب معرفت اسے پسند فرمائیں گے۔

من اللہ التوفیق

ادارہ

# فہرست

## تیسرا باب: قرآن اور آسمانی کتابیں



## چوتھا باب: قیامت، موت کے بعد دوسری زندگی

## پانچواں باب: امامت





## چھٹا باب: مختلف مسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اور اس کا پیغام

۱۔ ہم عصر حاضر میں ایک عظیم تبدیلی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس تحول اور تبدیلی کا سرچشمہ آسمانی ادیان میں سے ایک عظیم دین، اسلام ہے۔

ہمارے زمانے میں اسلام نے ایک نئی زندگی حاصل کی ہے۔ دنیا کے مسلمان بیدار ہو چکے ہیں اور اپنے اصلی محور کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ ان کی وہ مشکلات جن کا حل انہیں کہیں اور نہیں ملا وہ انہیں اسلامی تعلیمات اور اس کے اصول و فروع میں تلاش کر رہے ہیں۔



اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ جو چیز یہاں حامل اہمیت ہے وہ اس نکتے سے باخبر ہونا ہے کہ اس عظیم تبدیلی کے اثرات تمام اسلامی ممالک بلکہ غیر اسلامی ممالک میں بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ اسی لیے دنیا کے بہت سے لوگ یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ اسلام کیا کہتا ہے اور دنیا کے لوگوں کیلئے اس کے پاس کون سا نیا پیغام ہے۔

ان نازک حالات میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اسلام کا تعارف اس طریقے سے کرائیں جس طرح وہ ہے اور اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں۔ یہ

تعارف واضح اور عام فہم انداز ہونا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ اسلام اور اسلامی مذاہب سے آگاہی کی جو تشنگی لوگوں کے اندر پائی جاتی ہے اسے حقیقت کا اظہار کر کے دور کریں اور اس بات کی اجازت نہ دیں کہ ہماری جگہ دوسرے بولیں اور ہماری جگہ وہ فیصلہ کریں۔

۲۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے ادیان کی طرح اسلام میں بھی مختلف فرقے پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک نظریاتی اور عملی مسائل میں الگ الگ خصوصیات کے حامل ہیں، لیکن یہ اختلافات اس حد تک ہرگز نہیں ہیں کہ وہ اس دین کے پیروکاروں کے درمیان باہمی تعلقات اور تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنیں، بلکہ وہ اپنے تعاون اور تعلقات کے ذریعے مشرق و مغرب سے اٹھتے ہوئے طوفانوں کے مقابلے میں اپنے وجود کی حفاظت کر سکتے ہیں، اور اپنے مشترکہ دشمن کو اس بات سے روک سکتے ہیں کہ وہ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اس ذہنی ہماہنگی کو وجود میں لانے، اس کی تقویت، اور اسکی بنیادیں مضبوط کرنے کیلئے یقینی طور پر چند اصولوں اور ضوابط کی پاسداری ضروری ہے، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ اسلامی فرقے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں، تاکہ ہر ایک کی خصوصیات دوسروں کیلئے واضح ہوں، کیونکہ ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان کر ہی بدگمانیوں کا سدباب کیا جاسکتا ہے اور تعاون کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔

ایک دوسرے کو پہچاننے کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے نزدیک اسلام کے اصول و فروع سے متعلق نظریات، اس فرقے کے نامور اور جید علماء سے حاصل کئے جائیں، کیونکہ اگر اس سلسلے میں غیر آگاہ لوگوں سے رابطہ کیا جائے یا ایک فرقے کے عقائد اس کے دشمنوں سے پوچھے جائیں تو ذاتی پسند اور ناپسند مقصد تک پہنچنے کی راہ مسدود کردے گی اور باہمی تفاہم، جدائی اور بے اعتمادی میں تبدیل ہو جائے

گا۔

۳۔ مذکورہ بالا دونوں نکات کے پیش نظر ہم نے یہ عزم کیا کہ اصول اور فروع میں اسلامی عقائد کا تذکرہ شیعہ مذہب کی خصوصیات کے ساتھ اس مختصر سی کتاب میں کریں اور ایک ایسی تصنیف سامنے لائیں جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہو۔

۱) تمام ضروری مطالب کا خلاصہ اور نچوڑ اس میں بیان کیا جائے اور صاحب تحقیق قارئین کے کندھوں سے متعدد کتابوں کے مطالعہ کا بوجھ کم کردیں۔

۲) مطالب واضح ہوں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان اصطلاحات کے استعمال سے بھی گریز کیا جائے جو فقط علمی ماحول یا دینی علوم کے مراکز میں مستعمل ہوں۔ ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ کام ابحاث کو سطحی بنانے کا موجب نہ ہے۔

۳) اگر چہ یہاں ہمارا مقصد عقاید کا ذکر ہے نہ کہ ان کی دلائل کا بیان، لیکن بعض اہم مقامات پر اس مختصر تحریر کے اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے ابحاث کو کتاب، سنت اور عقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

۴) ہر قسم کی پردہ پوشی لیپ پوت اور پہلے سے کئے گئے فیصلے سے خالی ہو تاکہ حقائق اس انداز میں بیان ہوں جس طرح وہ ہیں۔

۵) تمام فرقوں کے احترام کے سلسلے میں قلم کے تقدس اور عفت کو تمام مباحث میں ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

موجودہ کتاب مندرجہ بالا نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیت اللہ الحرام کے سفر کے دوران (جب روح اور دل پاکیزگی سے معمور ہوتے ہیں) لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد متعدد نشستوں میں چند علماء کے ساتھ اس پر بحث و تحقیق کی گئی۔ اس طرح یہ کتاب

پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اوپر جن اہداف کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے حصول کیلئے یہ کتاب مفید واقع ہوگی اور آخرت کیلئے یہ ایک ذخیرہ ہوگی۔ ہم خدا کے حضور دست بدعا ہو کر عرض کرتے ہیں:۔

"ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان آمنوا بربکم فآمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیئاتنا و توفنا مع الابرار" (سورہ آل عمران، آیت ۱۹۳)

ناصر مکارم شیرازی

مدرسۃ الامام امیرالمومنین - قم

محرم الحرام سنہ ۱۴۱۷

پہلا باب

# خدا شناسی اور توحید

## ۱۔ قادر متعال کا وجود

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا پوری کائنات کا خالق ہے اس کی عظمت، علم اور قدرت کے آثار کائنات کی تمام موجودات کی جبیں پر نمایاں اور واضح ہیں۔ یہ آثار ہمارے وجود میں، جانداروں اور نباتات کی دنیا میں، آسمان کے ستاروں میں، عالم بالا میں، غرض ہر جگہ آشکار ہیں۔



ہمارا عقیدہ ہے کہ: موجودات عالم کے اسرار میں ہم جسقدر غور و فکر سے کام لیں اسی حساب سے اس ذات پاک کی عظمت، اس کے علم اور قدرت کی وسعت سے باخبر ہوتے جائیں گے۔ علم و دانش کی ترقی کی بدولت روز بروز اس کے علم اور حکمت کے نئے دروازے ہم پر کھلتے جاتے ہیں۔ یہ ہماری فکر کو نئی راہیں عطا کرتے ہیں۔ یہ افکار اس ذات حق سے ہمارے والہانہ عشق کا سرچشمہ ثابت ہوں گے اور لحظہ بہ لحظہ اس ذات مقدس سے ہمارے قرب کا باعث نیز اس کے نور جلال و جمال میں ہمیں غرق کر دینے کا باعث ہوں گے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ "و فی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم

افلاتبصرون" یعنی یقین کے متلاشی لوگوں کیلئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں (بھی نشانیاں ہیں)۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ (سورہ ذاریات، آیات ۲۰ و ۲۱)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النہار لایات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبہم و یتفکرون فی خلق السموات و الارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا" یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور دن اور رات کے آنے جانے میں عقل مندوں کیلئے (واضح) نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو خدا کو کھڑے ہو کر، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔ نیز آسمانوں اور زمین کی خلقت کے رازوں میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) خدایا تو نے اسے ہرگز فضول پیدا نہیں کیا۔

(سورہ آل عمران، آیات ۱۹۰ و ۱۹۱)



## ۲۔ اس کی جمالی و جلالی صفات

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کی ذات پاک ہر عیب و نقص سے پاک اور تمام کمالات سے آراستہ ہے۔ بلکہ وہ تو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے۔ بالفاظ دیگر اس دنیا میں موجود ہر قسم کے کمال و جمال کا سرچشمہ اسکی ذات پاک ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ ما فی السموات و الارض و ھو العزیز الحکیم" یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ حاکم اور اصلی مالک وہی ہے۔ وہ ہر عیب اور نقص سے بری ہے۔ کسی پر ظلم نہیں کرتا، امان دینے والا ہے،

سب چیزوں کا نگہبان ہے اور ناقابل شکست طاقت ہے جو اپنے موثر ارادے کے ذریعے ہر امر کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ عظمت کے لائق ہے اور وہ منزہ ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا خدا ہے جو پیدا کرنے والا ہے اور ایسا موجد ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ نیز وہ صورتوں کا بنانے والا ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (اور ہر طرح کی صفات کمال)۔ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ عزیز حکیم ہے۔ (سورہ حشر، آیات ۲۳ و ۲۴)

یہ تھیں اس کی بعض صفات جمالی و جلالی۔

## ۳۔ اس کی ذات پاک لامتناہی ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اس کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے، خواہ علم و قدرت کے لحاظ سے ہو یا ازلی و ابدی ہونے کے لحاظ سے۔ اسی لئے زمان و مکان اس کا احاطہ نہیں کرسکتے، کیونکہ زمان و مکان خواہ جیسے بھی ہوں بہرحال محدود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہے، کیونکہ وہ زمان و مکان سے ماورا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ "و هو الذی فی السماء اله و فی الارض اله و هو الحکیم العلیم" یعنی وہ ایسی ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی اور وہ حکیم و علیم ہے۔ (سورہ زخرف، آیت ۸۴)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "و هو معکم اینما کنتم والله بما تعملون بصیر" یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم جہاں بھی ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔ (سورہ حدید، آیت ۴)

ہاں! وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے اور ہماری روح کے اندر ہے۔ وہ ہر جگہ

ہے اس کے باوجود وہ مکان سے بے نیاز ہے۔ "و نحن اقرب الیہ من حبل الورید" یعنی ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اسکے قریب ہیں۔ (سورہ ق، آیت ۱۶)

نیز ارشاد ہوتا ہے کہ "ھو الاول و الاخر و الظاھر و الباطن و ھو بکل شی علیم" یعنی وہ اول ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

(سورہ حدید، آیت ۳)

لہذا اگر ہم قرآن مجید کی آیات میں یہ دیکھتے ہیں "ذوالعرش المجید" یعنی صاحب عرش اور صاحب عزت و مجد ہے (سورہ بروج، آیت ۱۵) تو یہاں عرش سے مراد تخت شاہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک دوسری آیت میں یہ دیکھتے ہیں کہ "الرحمن علی العرش استوی" یعنی خدائے رحمن عرش پر ٹھہرا ہوا ہے (۱) تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کیلئے کوئی جگہ مخصوص ہے۔ بلکہ یہ مادی دنیا اور ماوراء الطبیعی دنیا پر اس کی حکمرانی کا اعلان کر رہی ہے، کیونکہ اگر ہم اس کے لئے کسی خاص جگہ کے قائل ہوں تو گویا ہم نے اسے محدود کردیا اور اسے مخلوق کی صفات کا حامل قرار دیا اور اسے بھی دیگر اشیاء کی طرح قرار دیا، حالانکہ "لیس کمثلہ شی" یعنی کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔ (سورہ شوریٰ، آیت ۱۱)

"و لم یکن لہ کفواً احد" اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں ہے۔

(سورہ توحید، آیت ۴)۔

---

۱۔ قرآن کی بعض آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خدا کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ بنابریں اس کا عرش بھی پوری مادی کائنات پر حاوی ہے۔ "وسیع کرسیہ السموات و الارض" (سورہ بقرہ، آیت ۲۵۵)

## ۴۔ وہ جسم نہیں ہے اور ہرگز دکھائی نہیں دیتا

ہمارا عقیدہ ہے کہ : خدا ہرگز ان آنکھوں کے ذریعے دکھائی نہیں دے سکتا، کیونکہ آنکھ سے دکھائی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جسم رکھتا ہے، جگہ کا محتاج ہے، رنگ و شکل کا حامل ہے اور جہت رکھتا ہے۔ یہ سب مخلوقات والی صفات ہیں اور خداوند متعال اس بات سے ماوراء ہے کہ اس میں مخلوقات والی صفات پائی جائیں۔

بنابریں رویت خدا پر اعتقاد رکھنا ایک قسم کا شرک ہے: "لاتدرکہ الابصار و هو یدرک الابصار و هو اللطیف الخبیر" یعنی آنکھیں اسے نہیں دیکھتیں لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ مہربان و آگاہ ہے۔ (سورہ انعام، آیت ۱۰۳)

اسی وجہ سے جب بنی اسرائیل کے بہانہ ساز لوگوں نے حضرت موسیٰؑ سے خدا کی رویت کا مطالبہ کیا اور کہا: "لن نؤمن لک حتی نری اللہ جهرة" یعنی ہم اس وقت تک ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو آشکارا دیکھ نہ لیں۔ (سورہ بقرہ، آیت ۵۵) تو حضرت موسیٰؑ انہیں کوہ طور پر لے گئے اور ان کا مطالبہ دہرایا تو خدا کی طرف سے یہ جواب سنا: "لن ترانی و لکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسی صعقاً فلما افاق قال سبحانک تبت الیک و انا اول المومنین" یعنی مجھے تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب تیرے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی نازل کی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا۔ موسیٰؑ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو عرض کی: خدایا تو اس سے منزہ ہے کہ آنکھ سے دیکھا جاسکے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور مومنین میں سے پہلا مومن ہوں۔ (سورہ اعراف، آیت ۱۴۳)

اس واقعے سے ثابت ہوگیا کہ خدا ہرگز دکھائی نہیں دے سکتا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اگر بعض آیات اور روایات میں رویت خدا کی بات آئی ہے تو اس سے مراد دل اور باطن کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہے، کیونکہ قرآنی آیات ہمیشہ ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں "القرآن یفسر بعضہ بعضاً"۔ (۱)

علاوہ ازیں حضرت علیؑ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں جس نے آپؑ سے یہ پوچھا تھا "یا امیر المومنین ھل رایت ربک" یعنی یا امیرالمومنین کیا آپ نے کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا: "ا اعبد مالاری" یعنی کیا میں کسی ان دیکھے کی عبادت کروں؟ اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: "لاتدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان' و لکن تدرکہ القلوب بحائق الایمان" یعنی آنکھیں اسے ہرگز دیکھ نہیں سکتیں لیکن دل قوت ایمان سے اس کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۹)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کیلئے مخلوقات والی صفات کا قائل ہونا خدا کی معرفت سے دوری اور شرک میں مبتلا ہونے کا باعث ہے مثلاً اس کے متعلق مکان، جہت، جسمانیت، مشاہدہ اور رویت کا عقیدہ رکھنا۔ جی ہاں! وہ تمام ممکنات اور ان کی صفات سے بالاتر ہے اور کوئی چیز اس جیسی نہیں۔



---

۱۔ یہ بڑا مشہور جملہ ہے اور ابن عباس سے مروی ہے لیکن یہی بات نہج البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ایک اور انداز میں یوں منقول ہوا ہے: "ان الکتاب یصدق بعضہ بعضاً ....." (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸) اور ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "و ینطق بعضہ ببعض و یشھد بعضہ علی بعض" (خطبہ ۱۰۳)

## ۵۔ تمام اسلامی تعلیمات کی روح توحید ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: معرفت خداوند متعال سے متعلق اہم ترین مسائل میں سے ایک توحید یعنے خدا کی وحدانیت کی معرفت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت میں توحید صرف اصول دین کے ایک جزء کا نام ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی عقائد کی روح اور جان ہے۔ یہ بات بالکل واشگاف الفاظ میں کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کے اصول اور فروع عقیدہ توحید سے تشکیل پاتے ہیں۔ ہر مقام پر توحید اور وحدانیت ہی جلوہ گر ہے۔ مثال کے طور پر توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال، بعبارت دیگر انبیاء کی برحق دعوت، ادیان آسمانی، قبلہ مسلمین، قرآن، اور خدا کے عالمگیر قوانین واحکام کی وحدت نیز مسلمانوں کی وحدت اور نظریہ قیامت کی وحدت۔

اسی وجہ سے قرآن نے نظریہ توحید سے ہر قسم کے انحراف اور شرک کی طرف میلان کو ایک ناقابل عفو گناہ قرار دیا ہے "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیما" یعنی خدا (ہرگز) شرک کی معافی نہیں دیگا اور اس سے کم جس چیز کو بھی چاہے (اور لائق سمجھے) معاف کردیگا۔ جو کسی کو خدا کا شریک قرار دے وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے (سورہ نساء، آیت ۴۸)۔

"و لقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک و لتکونن من الخاسرین" یعنی اے رسول! آپ اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر شرک اختیار کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔ (سورہ زمر، آیت ۶۵)

## ۶۔ توحید کی اقسام

ہمارا عقیدہ ہے کہ: توحید کی کئی اقسام ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل چار اقسام نہایت اہم ہیں۔

### الف: توحید ذات

یعنی اس کی ذات واحد ہے اور کوئی اس جیسا اور اس کے مانند نہیں ہے۔

### ب: توحید صفات

یعنی علم، قدرت، ازلیت، ابدیت اور دیگر صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اور یہ صفات اسکی عین ذات ہیں۔ وہ مخلوقات کی طرح نہیں جن کی صفات آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں اور ان کی ذات سے بھی الگ ہوتی ہیں۔ البتہ خدا کی ذات اور صفات کے درمیان وحدت کا مسئلہ غور و فکر اور باریک بینی کا محتاج ہے۔



### ج: توحید افعال

یعنی اس جہان ہست وبود میں جو بھی فعل، حرکت یا تاثیر موجود ہے اس کا سرچشمہ خدا کا ارادہ اور اس کی مشیت ہیں۔ "اللّٰہ خالق کل شی و ھو علی کل شی وکیل" یعنی خدا ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے (سورہ زمر، آیت ۶۲) "لہ مقالید السموات و الارض" یعنی زمین اور آسمان کی چابیاں اس کے لئے ہیں (اور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں)۔ (سورہ شوریٰ، آیت ۱۲)

جی ہاں "لاموثر فی الوجود الا اللّٰہ" یعنی کائنات میں اس ذات پاک کے سوا کوئی

حقیقی علت موجود نہیں ہے۔

لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے اعمال میں مجبور ہیں، بلکہ اس کے برعکس ہم ارادہ کرنے اور فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ "انا هدیناه السبیل اما شاکراً و اما کفوراً" یعنی ہم نے اسے ہدایت کا راستہ بتا دیا چاہے وہ شکر گزار بنے (اور قبول کرے) یا کفران کرے (اور انکار کردے)۔ (سورہ انسان، آیت ۳)

"وان لیس للانسان الا ماسعی" یعنی انسان کو اس کی کوشش اور سعی کا نتیجہ ہی ملتا ہے۔ (سورہ نجم، آیت ۳۹)

یہ قرآنی آیات بالکل واضح انداز میں بتاتی ہیں کہ انسان اپنے ارادوں میں خود مختار ہے۔ لیکن چونکہ ارادے کی یہ آزادی اور کام کی قدرت ہمیں خدا نے عطا کی ہے، لہذا ہمارے اعمال کی نسبت اس کی طرف دی جاتی ہے، لیکن یہ امر اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ ہم اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں۔

اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہم اپنے اعمال آزادی سے انجام دیں تاکہ اس طریقے سے وہ ہمارا امتحان لے اور کمال کے راستے پر ہمیں گامزن کرے، کیونکہ انسانی کمال، ارادے کی آزادی اور اطاعت خدا کا راستہ اپنی مرضی سے طے کرنے میں مضمر ہے۔ اختیار کے بغیر جبری کام نہ تو کسی کی اچھائی کی دلیل ہے اور نہ برائی کی۔

اگر ہم اپنے کاموں میں مجبور ہوتے تو اصولی طور پر بعثت انبیاء اور آسمانی کتب کے نازل ہونے کا کوئی مفہوم رہتا اور نہ ہی دینی فرائض اور تعلیم و تربیت کا کوئی مطلب بنتا۔ نیز ثواب اور عذاب بھی بے معنی بن جاتے۔

یہ وہی عقیدہ ہے جو ہم نے ائمہ اہل بیتؑ کے مکتب فکر سے سیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ نہ جبر مطلق صحیح ہے اور نہ تفویض بلکہ ان دونوں کی درمیانی صورت ہی

درست ہے۔ "لاجبر و لاتفویض و لکن امر بین امرین"۔

(اصول کافی، جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ باب الجبر و القدر و الامر بین الامرین)

د: توحید عبادت

یعنی عبادت خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس کی ذات پاک کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ توحید کی یہ قسم اس کی تمام اقسام سے اہم ہے۔ انبیائے الٰہی بھی اسی کی زیادہ تاکید کرتے رہے ہیں۔ "و ما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء.... و ذلک الدین القیمۃ" یعنی انہیں (انبیاء کو) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کیلئے اپنا دین خالص کریں اور توحید میں شرک سے بچیں... یہ ہے خدا کا ابدی دستور۔ (سورہ بینہ، آیت ۵)



اخلاق اور عرفان کے تکاملی مراحل طے کرنے کیلئے توحید کی گہرائیاں اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہیں اور وہ اس مرتبے تک پہنچ جاتی ہیں کہ انسان صرف خدا سے دل لگائے، ہر جگہ اسی کا طالب رہے، اس کے سوا کچھ نہ دیکھے اور کوئی چیز اس کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف نہ کر لے۔ "کلما شغلک عن اللہ فھو صنمک" یعنی جو چیز تیری توجہ اپنی طرف مبذول رکھے اور تجھے خدا سے دور کردے وہ تیرا بت ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: توحید ان چار اقسام میں منحصر نہیں ہے بلکہ توحید مالکیت (یعنی سب چیزیں خدا کی ملکیت ہیں) "للہ ما فی السموات و ما فی الارض" (سورہ بقرہ، آیت ۲۸۴) اور توحید حاکمیت (یعنی قانون فقط خدا کا ہے) "و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" (سورہ مائدہ، آیت ۴۴) بھی توحید کی اقسام میں سے ہیں۔

## ۷۔ معجزات انبیاء، خدا کی طرف سے ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: توحید افعالی اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ پیغمبروں سے جو معجزات اور خارق عادت امور انجام پذیر ہوئے ہیں وہ سب خدا کے اذن سے واقع ہوئے۔ چنانچہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کے متعلق فرمایا ہے "و تبری الاکمہ و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتی باذنی" یعنی تم پیدائشی اندھے اور برص کے (لاعلاج) مریض کو میرے اذن سے شفا دیتے ہو اور میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہو۔

(سورہ مائدہ، آیت ۱۱۰)۔

حضرت سلیمانؑ کے ایک وزیر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقراً عندہ قال ھذا من فضل ربی" یعنی کتاب آسمانی کے علم میں سے جس کے پاس کچھ تھا اس نے کہا: اس سے پہلے کہ آپ اپنی آنکھ جھپکائیں میں اس (ملکہ سبا کے تخت کو) آپ کے پاس لے آوں گا اور جب اس (سلیمان) نے اسے اپنے پاس موجود دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کے فضل (اور ارادہ) و کرم کا نتیجہ ہے۔ (سورہ نمل، آیت ۴۰)۔

لہذا خدا کے حکم اور اذن سے بلا علاج مریضوں کی شفا یابی اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف دینا (جیسا کہ قرآن میں صریحاً مذکور ہے) عین توحید ہے۔

## ۸۔ خدا کے فرشتے

ہم خدا کے فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی خاص ذمہ داری ہے۔ ان میں سے بعض انبیاء کی طرف وحی لے جانے پر مامور تھے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۹۷) بعض فرشتے انسانوں کے اعمال کی حفاظت پر مامور ہیں۔ (سورہ انفطار، آیت ۱۰)

بعض روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں۔ (سورہ اعراف، آیت ۳۷)

بعض ثابت قدم مومنین کی نصرت پر مامور ہیں۔ (سورہ فصلت، آیت ۳۰)

بعض جنگوں میں مومنین کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ (سورہ احزاب، آیت ۹)

بعض نافرمان قوموں کو سزا دینے پر مامور ہیں۔ (سورہ ہود، آیت ۷۷)

اس کے علاوہ کچھ فرشتے نظام کائنات کی بعض دیگر اہم ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

چونکہ سب ذمہ داریاں خدا کے حکم، اذن، اس کی قوت اور مدد سے انجام پا رہی ہیں اس لئے یہ توحید ربوبی اور توحید افعالی سے کسی قسم کی منافات نہیں رکھتیں بلکہ ان کی تائید کرتی ہیں ضمنی طور پر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ انبیاء، معصومین اور فرشتوں کا شفاعت کرنا چونکہ خدا کے اذن سے ہے لہذا عین توحید ہے۔ "ما من شفیع الا من بعد اذنہ" اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفیع نہیں ہوسکتا۔ (سورہ یونس، آیت ۳)۔

اس موضوع اور توسل سے متعلق مزید گفتگو انبیاء کی نبوت کے باب میں آئے گی۔



## ۹۔ عبادت، خدا کیلئے مخصوص ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: عبادت صرف اسی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ (جیساکہ توحید سے متعلق گفتگو میں اشارہ ہوا ہے)۔ لہذا جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے وہ مشرک ہے۔ انبیاء کی تبلیغ کا محور بھی یہی تھا کہ "اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ" یعنی خدا کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

یہ بات انبیاء کی زبانی کئی مرتبہ قرآن میں بیان ہوئی ہے۔

(سورہ اعراف، آیت ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵ و .....)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی نمازوں میں سورہ حمد کی تلاوت کے وقت اس اہم اسلامی شعار کا تکرار کرتے رہتے ہیں۔ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ انبیاء اور فرشتوں کی شفاعت پر ایمان رکھنا (جو خدا کے حکم سے ہو اور جس کا تذکرہ قرآنی آیات میں بھی آیا ہے) ان کی عبادت نہیں ہے۔

اسی طرح انبیاء کو وسیلہ بنانا یعنی ان کے حضور یہ درخواست کرنا کہ خدا کی بارگاہ میں میری مشکل کے حل کیلئے دعا کریں نہ تو پرستش ہے نہ ہی عبادت اور نہ ہی توحید افعالی یا توحید عبادت سے متصادم ہے۔ نبوت کی بحث میں اس کی تفصیل آئے گی۔

## ۱۰۔ ذات خداوندی کی حقیقت سب پر مخفی ہے



ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کے وجود کے آثار پوری کائنات پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس ذات حق کی حقیقت کسی پر عیاں نہیں۔ کوئی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے جبکہ ہم ہر لحاظ سے محدود اور متناہی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے لئے اس کی ذات کا احاطہ کرنا محال ہے: "الا انه بکل شی محیط" یعنی آگاہ رہو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔ (سورہ فصلت، آیت ۵۴)

"واللہ من ورائهم محیط" یعنی خدا ان سب پر محیط ہے۔ (سورہ بروج، آیت ۲۰)

به عقل نازی حکیم تا کی — به فکرت این ره نمی شود طی!

به کنه ذاتش خرد برد پی — اگر رسد خس به قعر دریا!

نبی اکرمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: "ما عبدناک حق عبادتک و ما عرفناک حق معرفتک" یعنی جس طرح تیری ذات عبادت کے لائق ہے

ہم نے اس طرح تیری عبادت نہیں کی اور جس طرح تیری معرفت کا حق ہے ہم نے اس طرح تیری معرفت حاصل نہیں کی۔ (بحار الانوار، جلد ۶۸ صفحہ ۲۳)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ ہم اس کی ذات پاک کے متعلق تفصیلی علم حاصل کرنے کی توانائی نہیں رکھتے لہذا اجمالی علم سے بھی ہاتھ کھینچ لیں اور معرفۃ اللہ کے باب میں فقط ان الفاظ پر قناعت کرلیں جن کا کوئی مفہوم نہ ہو۔ اسے "معرفۃ اللہ" کی تعطیل کہتے ہیں جسے ہم قبول نہیں کرتے اور اس پر عقیدہ نہیں رکھتے، کیونکہ قرآن اور باقی تمام آسمانی کتابیں معرفۃ اللہ اور خدا کی شناخت کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

اس موضوع کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، مثلاً ہم روح کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن ہم اس کے متعلق یقینی طور پر اجمالی شناخت رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ روح موجود ہے اور اس کے آثار بھی ہم دیکھتے ہیں۔

امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام سے بڑی عمدہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "کلما میزتموہ باوھامکم فی ادق معانیہ مخلوق مصنوع مثلکم مردود الیکم" یعنی جس چیز کا بھی تصور اور خیال اس کے دقیق ترین معانی کے ساتھ آپ اپنے ذہن میں کریں وہ آپکی مخلوق اور آپ کا بنایا ہوا ہے اور خود آپکی طرح ہے اور اس کی بازگشت آپکی طرف ہوتی ہے اور خدا اس سے بلند و برتر ہے)۔ (بحار الانوار، جلد ۶۶ صفحہ ۲۹۳)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں معرفۃ اللہ کا دقیق اور باریک مفہوم ایک خوبصورت اور واضح پیرائے میں اس طرح بیان ہوا ہے "لم یطلع اللہ سبحانہ العقول علی تحدید صفتہ، و لم یحجبھا امواج معرفتہ" یعنی خدا نے عقلوں کو اپنی صفات کی حدود (اور حقیقت) سے آگاہ نہیں فرمایا اور (اس کے باوجود) انہیں ضروری معرفت اور پہچان سے محروم بھی نہیں رکھا)۔ (غرر الحکم)

## ۱۱۔ نہ نفی نہ تشبیہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: جس طرح خدا کی معرفت اور اسکی صفات کی پہچان سے دست بر داری صحیح نہیں ہے اسی طرح وادی تشبیہ میں قدم رکھنا بھی غلط اور شرک ہے۔ یعنی ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ذات پاک بالکل پہچانی ہی نہیں جاسکتی اور ہمارے پاس اس کی معرفت کا کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اسے مخلوقات کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی۔ ان میں سے ایک افراط ہے اور دوسری تفریط (غور کیجیے)۔

دوسرا باب

# انبیاء الٰہی کی نبوت

## ۱۲۔ بعثت انبیاء کا مقصد

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے بنی نوع انسان کی راہنمائی کیلئے اور ان کو مطلوبہ کمال اور دائمی سعادت تک پہنچانے کیلئے انبیاء اور رسول بھیجے ہیں۔ اگر انبیاء مبعوث نہ کئے جاتے تو خلقت کا مقصد حاصل نہ ہوتا، انسان گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا اور مقصد فوت ہوجاتا: "رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل و کان اللہ عزیزاً حکیما" یعنی رسول (بھیجے) جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے تا کہ خدا پر لوگوں کی طرف سے حجت نہ رہے۔ (اور وہ سب کو سعادت کا راستہ دکھائیں اور تمام لوگوں پر اتمام حجت ہوجائے) خدا عزت والا اور حکمت والا ہے۔

(سورہ نساء، آیت ۱۵۶)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: ان میں سے پانچ انبیاء "اولو العزم" ہیں۔ وہ صاحب شریعت تھے اور کتاب آسمانی رکھتے تھے۔ نیز ایک نیا دین لے کر آئے تھے۔ وہ یہ ہیں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ۔

"و اذا اخذنا من النبیین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسی و عیسی

ابن مریم و اخذنا منھم میثاقاً غلیظا" یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور (اسی طرح) تم سے، نیز نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے۔ ہم نے ان سب سے مضبوط عہد و پیمان لیا (کہ وہ اپنی رسالت پر عمل کرنے کیلئے اور آسمانی کتاب کی تعلیمات پھیلانے کیلئے کوشاں رہیں)۔ (سورہ احزاب، آیت ۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل" یعنی اس طرح صبر اور استقامت کرو جس طرح کہ اولو العزم رسولوں نے صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ (سورہ احقاف، آیت ۳۵)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبر اسلامؐ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں۔ ان کی شریعت پوری دنیا کے لوگوں کیلئے ہے اور جب تک دنیا باقی ہے یہ شریعت بھی باقی رہے گی۔ اسلام کی تعلیمات و معارف اور احکام کی جامعیت ایسی ہے کہ وہ قیامت تک انسان کی تمام معنوی اور مادی ضروریات کو پوری کرتی ہیں۔ جو بھی نئی نبوت اور رسالت کا مدعی ہو اس کا دعویٰ باطل اور بے بنیاد ہے۔



ارشاد ہوتا ہے: "ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شیء علیما" یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ رسول خدا اور سلسلہ انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ خدا ہر چیز سے آگاہ ہے (اور جو کچھ ضروری تھا اسے عطا کیا ہے)۔ (سورہ احزاب، آیت ۴۰)

## ۱۳۔ ادیان آسمانی کے پیرو کاروں کے ساتھ پرامن رہن سہن

اگرچہ ہم فقط اسلام کو اس دور میں خدا کا باقاعدہ اور قانونی دین سمجھتے ہیں لیکن ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوسرے آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری پر مبنی

سلوک روا رکھنا چاہیئے، چاہے وہ اسلامی ممالک میں رہتے ہوں یا کہیں اور، سوائے ان لوگوں کے جو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں آگئے ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے: "لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" یعنی جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی تھی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا تھا اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ ممتحنہ، آیت ۸)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: دنیا کے تمام لوگوں پر اسلامی تعلیمات اور اسلام کی حقیقت کو دلیل اور برہان کے ذریعے روشن اور واضح کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں اتنی کشش ہے کہ اگر اسے اچھی طرح پیش کیا جائے تو یہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریگا، بالخصوص اس بات کے پیش نظر کہ آج کی دنیا میں اسلام کا پیغام سننے کیلئے بہت سے لوگ تیار ہیں۔

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ: اسلام کو دباؤ اور جبر کے ذریعے لوگوں پر نہیں تھوپنا چاہیے۔ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" یعنی دین قبول کرنے میں زبردستی نہیں ہے کیونکہ صحیح اور غلط راستے کے درمیان فرق واضح ہے۔

(سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اسلام کے جامع احکام پر مسلمانوں کا عمل پیرا ہونا اسلام کی پہچان کا ایک اور سبب ثابت ہوگا لہذا زبردستی اور جبر کی ضرورت نہیں ہے۔

## ۱۴۔ انبیاء کا تاحیات معصوم ہونا

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کے تمام انبیاء معصوم ہیں، یعنی زندگی بھر (نبوت سے پہلے

اور نبوت کے بعد) وہ خدا کی مدد سے ہر قسم کی خطاوں اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر وہ کسی گناہ یا غلطی کا ارتکاب کریں تو ان کی نبوت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ لوگ انھیں اپنے اور خدا کے درمیان ایک مطمئن وسیلہ نہیں سمجھیں گے اور اپنی زندگی کے تمام اعمال میں انھیں اپنا رہبر و راہنما تسلیم نہیں کریں گے۔

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ: قرآن کی کچھ آیات میں ظاہری طور پر انبیاء کی طرف گناہ کی جو نسبت دی گئی ہے اس سے مراد ترک اولیٰ ہے۔ (یعنی دو اچھے کاموں میں سے اس کا انتخاب جس کی اچھائی کم ہو، جبکہ ہونا یہ چاہیئے کہ سب سے اچھے کا انتخاب کیا جائے)۔ دوسرے الفاظ میں یہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے زمرے میں شامل ہے یعنی نیک لوگوں کے اچھے کام مقربین کیلئے گناہ محسوب ہوتے ہیں۔ (۱) کیونکہ ہر شخص سے اس کے مقام کے مطابق ہی توقع رکھی جاتی ہے۔

## ۱۵۔ وہ خدا کے مطیع بندے ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کے انبیاء اور رسولوں کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ وہ خدا کے مطیع اور فرمان بردار بندے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اپنی پنجگانہ نمازوں میں رسول اکرمؐ کے بارے میں یہ جملہ دہراتے ہیں "و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ" یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

---

۱۔ علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں یہ جملہ ایک معصوم سے نقل کیا ہے لیکن ان کے نام کا ذکر نہیں کیا۔ (بحار الانوار، جلد ۲۵ صفحہ ۲۰۵)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: کسی بھی نبی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا۔ "ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب و الحکم و النبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ" یعنی کسی انسان کیلئے سزاوار نہیں ہے کہ خدا اسے آسمانی کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میری عبادت کرو۔ (سورہ آل عمران، آیت ۷۹)

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے بھی لوگوں کو ہرگز اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ خود کو خدا کا بندہ اور مخلوق قرار دیتے رہے ارشاد ہوتا ہے۔ "لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون" یعنی عیسیٰ نے ہرگز اس بات سے انکار نہیں کیا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اور نہ اس کے مقرب فرشتوں نے۔ (سورہ نساء، آیت ۱۷۲)۔



مسیحیت کی موجودہ تاریخیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ مسئلہ تثلیث (تین خداؤں پر عقیدہ) مسیحیت کے ابتدائی سو سالوں میں موجود نہ تھا اور یہ طرز فکر بعد میں پیدا ہوا ہے۔

## ۱۶۔ معجزے اور علم غیب

سارے انبیاء خدا کے بندے ہیں لیکن یہ بندگی اس بات میں رکاوٹ نہیں بنتی کہ وہ خدا کے حکم اور اذن سے ماضی، حال اور مستقبل کے غیبی امور سے مطلع ہو جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: "عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول" یعنی خدا غیب کا علم رکھتا ہے اور کسی کو اپنے غیب کے اسرار سے آگاہ نہیں کرتا سوائے ان رسولوں کے جنہیں اس نے منتخب کر لیا ہے۔ (سورہ جن، آیات ۲۶ و ۲۷)

ہم جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو پوشیدہ باتوں سے

آگاہ کرتے تھے۔ "و انبئکم بما تاکلون و ما تدخرون فی بیوتکم" یعنی جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو میں تمھیں اس کی خبر دیتا ہوں۔

(سورہ آل عمران، آیت ۴۹)۔

پیغمبر اسلامؐ بھی خدا کی تعلیم کے باعث غیب کی بہت سی باتیں بیان فرماتے تھے:

"تلک من انباء الغیب نوحیہ الیک" یعنی یہ غیب کی باتوں میں سے ہے جنھیں ہم نے تجھ پر وحی کی ہے۔ (سورہ یوسف، آیت ۱۰۲)

لہذا اگر انبیائے الٰہی وحی کے ذریعے اور خدا کے اذن سے غیب کی خبریں تو یہ نہ ہونے والی بات نہیں۔ اگر بعض آیات میں پیغمبر اسلام سے غیب کی نفی ہوئی ہے مثلاً "و لا اعلم الغیب و لا اقول لکم انی ملک" یعنی میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ (سورہ انعام، آیت ۵۰) تو اس سے مراد ذاتی اور استقلالی علم ہے نہ کہ وہ علم جو خدا نے عطا کی ہو۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآنی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: یہ عظیم لوگ خدا کے اذن سے بڑے اہم معجزات اور خارق العادت کام انجام دیتے تھے۔ خدا کے حکم سے اس طرح کے کاموں کی انجام دہی پر ایمان نہ شرک ہے اور نہ ان کے مقام بندگی سے متصادم ہے۔ قرآن کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰؑ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور لاعلاج مریضوں کو خدا کے حکم سے شفا دیتے تھے۔ "وابری الاکمہ و الابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ"۔

(سورہ آل عمران، آیت ۴۹)۔

## ۱۷۔ انبیاء کا مقام شفاعت

ہمارا عقیدہ ہے کہ: تمام انبیاء اور سب سے بڑھ کر پیغمبر اسلامؐ کو حق شفاعت حاصل ہے۔ وہ خدا کے حضور گنہگاروں کے بعض مخصوص گروہوں کی شفاعت کریں گے۔ لیکن یہ بھی خدا کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوگی۔ "ما من شفیع الا من بعد اذنہ" یعنی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے مگر خدا کے اذن اور اجازت کے بعد۔
(سورہ یونس، آیت ۳)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" یعنی اس کی اجازت بغیر کون اس کے حضور شفاعت کرسکتا ہے؟ (سورہ بقرہ، آیت ۲۵۵)۔ اگر بعض آیات میں بطور مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے مثلاً "من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ و لا خلۃ و لا شفاعۃ" یعنی اس دن کی آمد سے پہلے انفاق کرو جس دن نہ تجارت ہوگی (کہ کوئی اپنے لئے سعادت اور نجات خرید لے) اور نہ دوستی (عام دوستیاں مفید نہیں ہوں گی) اور نہ شفاعت، (سورہ بقرہ، آیت ۲۵۴) تو اس سے مراد اس شفاعت کی نفی ہے جو خدا کی اجازت کے بغیر ہو یا ان لوگوں کی شفاعت مراد ہے جو شفاعت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: شفاعت کا نظریہ، افراد کی تربیت، گنہگار لوگوں کو صحیح راستے پر لانے، انہیں نیکی کی ترغیب دینے اور ان کے دلوں میں امید کی شمع روشن کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، کیونکہ شفاعت بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کی صلاحت رکھتے ہیں، یعنی ان کے گناہ اس حد تک نہ ہوں کہ وہ شفیعوں سے اپنا رابطہ مکمل طور پر ختم کرچکے ہوں۔ لہذا شفاعت کی بات گنہگاروں کو خبردار کرتی ہے تاکہ وہ اپنے تمام راستے مسدود نہ کریں، اپنی واپسی کا راستہ

گنہگار کھیں اور شفاعت کیلئے اپنی اہلیت ثابت کریں۔

## ۱۸۔ توسل

ہمارا عقیدہ ہے کہ: "توسل" بھی "شفاعت" کی طرح ہے۔ توسل کا مسئلہ معنوی اور مادی مشکلات میں گھرے ہوئے افراد کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ اولیائے خدا کا دامن پکڑ لیں تاکہ وہ خدا کی اجازت سے خدا کے حضور ان کی مشکلات دور کرنے کی درخواست کریں۔ یعنی ایک طرف تو وہ خود خدا کی طرف رجوع کریں اور دوسری طرف اولیاء اللہ کو وسیلہ قرار دیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ "و لو انہم اذ ظلموا جائوک فاستغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما" یعنی جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا (اور گناہ کا ارتکاب کیا) اس وقت اگر وہ تیرے پاس آتے اور خدا سے استغفار طلب کرتے اور رسول خدا بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ (سورہ نساء، آیت ۶۴)



نیز ہم حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے واقعے میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کو وسیلہ بنایا اور کہا کہ "یا ابانا استغفر لنا انا کنا خاطئین" یعنی اے ہمارے بابا جان! ہمارے لئے خدا سے مغفرت طلب کریں کیونکہ ہم خطاکار ہیں۔ ان کے بوڑھے باپ (حضرت یعقوب نبی) نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: "سوف استغفر لکم ربی" یعنی میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے طلب مغفرت کروں گا۔ (سورہ یوسف، آیات ۹۷ و ۹۸) یہ واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ گذشتہ امتوں میں بھی توسل کی رسم موجود تھی۔

لیکن اس منطقی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے اور اولیاء اللہ کو خدا کی اجازت کے بغیر مستقل طور پر موثر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ کفر اور شرک کا باعث ہے۔ توسل کو اولیاء اللہ کی عبادت کی شکل نہیں دینی چاہیئے کہ یہ بھی کفر اور شرک ہے کیونکہ وہ خدا کی اجازت سے ہٹ کر بذات خود سود و زیاں کے مالک نہیں ہیں۔ "قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضراً الا ما شاء اللہ" یعنی کہو! میں اپنے لیے بھی سود و زیاں کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (سورہ اعراف، آیت ۱۸۸) عام طور پر تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والے لوگوں میں توسل کے متعلق افراط و تفریط نظر آتی ہے۔ ان کی راہنمائی اور ہدایت ضروری ہے۔

## ۱۹۔ انبیاء کی دعوت کے بنیادی اصول ایک ہیں



ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کے تمام رسول ایک ہی مقصد کی طرف گامزن تھے۔ ان کا ہدف خدا پر ایمان اور قیامت پر ایمان کے ذریعے لوگوں کی سعادت اور اسلامی معاشروں میں صحیح دینی تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصولوں کو استحکام بخشنا تھا۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء ہمارے لیے محترم ہیں۔ یہ بات ہمیں قرآن نے سکھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "لا نفرق بین احد من رسلہ" یعنی ہم خدا کے رسولوں میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے۔

(سورہ بقرہ، آیت ۲۸۵)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور بلند تعلیمات کیلئے انسان کی آمادگی کے ساتھ ساتھ ادیان الٰہی بھی آہستہ آہستہ تکامل کی طرف بڑھتے گئے اور ان کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ عمیق ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ آخری اور مکمل دین یعنی اسلام کی باری آگئی اور یہ فرمان آیا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو (ہمیشہ رہنے والے) دین کے طور پر قبول کیا۔ (سورہ مائدہ، آیت ۳)

## ۲۰۔ سابقہ انبیاء کی پیشگوئیاں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: بہت سے سابقہ انبیاء نے اپنے بعد والے انبیاء کے ظہور کے متعلق خبر دی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ نے پیغمبر اکرمؐ کے متعلق واضح نشانیاں بتائیں جن میں سے اب بھی بعض ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ "الذین یتبعون الرسول الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ و الانجیل ... اولئک ھم المفلحون" یعنی جو لوگ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس پیغمبر کی جس کی نشانیاں وہ اپنے پاس موجود تورات و انجیل میں پاتے ہیں وہ فلاح پانے والے ہیں۔

(سورہ اعراف، آیت ۱۵۷)

اسی وجہ سے تاریخ بتاتی ہے کہ پیغمبر اسلام کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ آگئی اور بڑی بے صبری سے حضور کے ظہور کا انتظار کرنے لگی کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں دیکھا تھا کہ آپؐ اس سرزمین سے ظہور کریں گے۔ اگرچہ ان کے ظہور کے بعد ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور کچھ جن کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے نے آپ کی مخالفت کی۔

## ۲۱۔ انبیاء اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح

ہمارا عقیدہ ہے کہ: انبیاء پر جو ادیان نازل ہوئے ہیں بالخصوص دین اسلام، وہ فقط انفرادی زندگی کی اصلاح یا فقط معنوی اور اخلاقی مسائل بیان کرنے کیلئے نہیں بلکہ وہ تمام

اجتماعی حوالوں سے بھی اصلاح کے علمبردار ہیں۔ روزمرہ زندگی کے بہت سے ضروری علوم اور باتیں لوگوں نے انہیں سے سیکھی ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہوا ہے۔

نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ: ان راہنماؤں کا ایک عظیم مقصد انسانی معاشرے میں عدالت قائم کرنا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط" یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ آسمانی کتاب اور میزان (حق کو باطل سے پہچانے کا معیار اور عادلانہ قوانین) نازل کیے تاکہ (دنیا کے) لوگ عدالت قائم کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ (سورہ حدید، آیت ۲۵)



## ۲۲۔ قومی اور نسلی امتیازات کی نفی

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا کے انبیاء بالخصوص پیغمبر اسلام کسی قسم کے نسلی اور قومی امتیاز کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ دنیا کی تمام اقوام، ملتیں، نسلیں اور زبانیں ان کی نظر میں برابر تھیں۔ قرآن نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (لیکن یہ برتری کا معیار نہیں ہے) تم میں خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

(سورہ حجرات، آیت ۱۳)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آپ نے

سرزمین منیٰ میں (حج کے موقع پر) اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:
"یا ایھا الناس ! الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی، و لا لعجمی علی عربی و لا لاسود علی احمر و لا لاحمر علی اسود الا بالتقوی الا ھل بلغت؟ قالوا نعم! قال لیبلغ الشاھد الغائب" یعنی اے لوگو! جان لو: تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کالے کو گندمی رنگ والے پر اور نہ گندمی رنگ والے کو کالے پر کوئی برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کے ذریعے۔ کیا میں نے خدا کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: جو موجود ہیں وہ یہ بات ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

(تفسیر قرطبی، جلد ۹ صفحہ ۶۱۶۲)

## ۲۳۔ اسلام اور انسانی فطرت



ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا، توحید اور انبیاء کی تعلیمات کے اصولوں پر اجمالی ایمان تمام انسانوں میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ انبیاء اس فرحبخش بیج کی آبیاری وحی کے ذریعے کرتے تھے اور شرک و انحراف کی گھاس پھوس اس سے دور کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون" یعنی یہ (خدا کا خالص دین) عین فطرت ہے جس پر خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی تخلیق میں کوئی دگرگونی نہیں ہے۔ (اور یہ فطرت تمام انسانوں میں موجود ہے)۔ یہ ہے پائدار دین، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(سورہ روم، آیت ۳۰)

یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں انسانوں کے درمیان ہمیشہ دین موجود رہا ہے

اور بڑے مورخین کے عقیدے کے مطابق بے دینی کہیں کہیں اور خال خال نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ سالہا سال تک دین دشمن پروپیگنڈے کی زد میں رہنے والی ملتوں نے آزادی حاصل کرتے ہی دین کی طرف رجوع کر لیا، لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سی گذشتہ قوموں کی علمی سطح کے تنزل کے باعث ان کے دینی عقائد اور آداب میں متعدد خرافات بھی داخل ہو جاتی تھیں۔ انبیائے الٰہی کا اہم کام انسانوں کے آئینہ فطرت سے ان خرافات کے گرد کو دور کرنا تھا۔

تیسرا باب

# قرآن اور آسمانی کتابیں

## ۲۴۔ آسمانی کتابوں کے نزول کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے متعدد آسمانی کتابیں نازل کی ہیں، جن میں صحف ابراہیم و نوح، تورات و انجیل اور سب سے جامع ترین کتاب قرآن مجید شامل ہیں۔ اگر یہ کتابیں نازل نہ ہوتیں تو انسان خدا شناسی اور خدا کی عبادت کے راستے میں غلطی کا شکار ہو جاتا اور وہ تقویٰ، تربیت اور اخلاق کے اصولوں اور ان اجتماعی قوانین سے دور ہو جاتا جن کی اسے ضرورت تھی۔



یہ آسمانی کتابیں باران رحمت کی طرح دلوں پر نازل ہوئیں۔ ان کتابوں نے انسان کی فطرت میں تقویٰ، اخلاق، معرفۃ اللہ اور علم و حکمت کے بیج بوئے اور ان کو پروان چڑھایا۔

ارشاد ہوتا ہے: "آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ و المومنون کل آمن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ" یعنی رسول اس چیز پر ایمان لے آیا جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور تمام مومنین بھی خدا، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۲۸۵)

افسوس کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیز جاہل اور نااہل لوگوں کی مداخلت سے بہت سی آسمانی کتابیں تحریف کا شکار ہوگئی ہیں اور ان میں غلط نظریات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آگے آنے والے دلائل کے مطابق قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ہے۔ یہ تمام زمانوں اور ادوار میں آفتاب کی طرح ضوفشانی کرتا آیا ہے اور دلوں کو منور کر رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: "قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام" یعنی خدا کی طرف سے، تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آئے۔ خدا ان کی برکت سے ان لوگوں کو سلامتی (اور سعادت) کے راستوں کی طرف ہدایت کرتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہوں۔ (سورہ مائدہ، آیات ۱۵ و ۱۶)

## ۲۵۔ قرآن، پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا معجزہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قرآن پیغمبر اکرمؐ کا سب سے اہم معجزہ ہے۔ یہ نہ فقط فصاحت و بلاغت، بیان کی چاشنی اور معانی کی جامعیت کے لحاظ سے معجزہ ہے بلکہ دیگر کئی جہات سے بھی اس میں اعجاز پایا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل عقائد اور علم کلام کی کتب میں مذکور ہے۔

اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ: کوئی اس کی مثل بلکہ اس کی ایک سورت جیسی کوئی سورت بھی نہیں لا سکتا۔ جو لوگ اس کتاب میں شک کرتے تھے قرآن نے انہیں کئی مرتبہ اس بات کی دعوت دی ہے لیکن وہ اس کے مقابلے پر ہرگز قادر نہ ہوئے۔ ارشاد ہوتا ہے: "قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ و لو کان بعضھم لبعض ظھیرا" یعنی اگر جن و انس مل کر اس قرآن جیسی

کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکیں گے، اگرچہ اس کام میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(سورہ اسراء، آیت ۸۸)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله و ادعوا شهدائکم من دون الله ان کنتم صادقین" یعنی ہم نے اپنے بندے (پیغمبر اسلام) پر جو نازل کیا ہے اس میں تمہیں شک ہے (تو کم از کم) اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو اس کام کیلئے بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

(سورہ بقرہ، آیت ۲۳)

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ فقط یہ کہ قرآن پرانا نہیں ہوا بلکہ اس کے اعجاز آمیز نکات مزید آشکار ہو رہے ہیں اور دنیا والوں کے سامنے اس کے مطالب کی عظمت مزید روشن ہوتی جا رہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے "ان الله تبارک و تعالی لم یجعله لزمان دون زمان و لناس دون ناس فهو فی کل زمان جدید و عند کل قوم غض الی یوم القیامه" یعنی خدا نے قرآن کو کسی خاص زمانے یا کچھ خاص لوگوں کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ اسی وجہ سے وہ ہر زمانے میں نیا اور ہر گروہ کے نزدیک قیامت تک شاداب ہے۔ (بحار الانوار، جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ حدیث ۴۴)

## ۳۶۔ عدم تحریف

ہمارا عقیدہ ہے کہ: آج دنیا کے مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا تھا۔ نہ اس میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ابتدائی دنوں سے ہی کاتبان وحی کی ایک بہت بڑی جماعت نزول قرآن کے بعد آیات کو لکھ لیتی تھی۔ مسلمانوں کی ذمہ داری تھی کہ دن رات اس کی تلاوت کریں اور اپنی پنجگانہ نمازوں میں اسے دہرائیں۔ بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ کر لیا۔ اسلامی معاشروں میں قرآن کے حفاظ اور قاریوں کو ہمیشہ خصوصی مقام حاصل رہا۔ ان باتوں اور دیگر وجوہات کے باعث قرآن ہر قسم کے تغیّر و تبدّل اور تحریف سے محفوظ رہا۔

علاوہ ازیں خدا نے دنیا کے خاتمے تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ خدا کی اس ضمانت کے باعث اس میں تغییر و تحریف محال ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" یعنی ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقینی طور پر ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ (سورہ حجر، آیت ۹)

تمام بڑے بڑے شیعہ و سنی علماء اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔ فریقین میں سے بہت کم لوگوں نے بعض احادیث کی رو سے تحریف کی بات کی ہے، لیکن فریقین کے محقق حضرات اس رائے کو یقینی طور پر ٹھکراتے ہیں اور مذکورہ روایات کو من گھڑت قرار دیتے ہیں یا ان کو تحریف معنوی (آیات قرآن کی غلط تفسیر) یا تفسیر قرآن اور متن قرآن میں خلط پر محمول کرتے ہیں۔ (غور کیجئے)

جو تنگ نظر لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ بعض شیعہ یا غیر شیعہ لوگ تحریف کے قائل ہیں حالانکہ یہ بات شیعہ اور اہلسنت کے بڑے علماء کے صریح بیانات کے بالکل برعکس ہے ایسے لوگ ناآگاہانہ طور پر قرآن کو زک پہنچا رہے ہیں اور اپنے بیجا تعصب کی وجہ سے اس عظیم آسمانی کتاب کو مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔

پیغمبر کے دور سے قرآن کی بتدریج جمع آوری کا تاریخی مطالعہ، اس کتاب کو لکھنے، حفظ کرنے اور اپنے پاس رکھنے پر مسلمانوں کی زبردست توجہ، بالخصوص پہلے دن سے ہی کاتبان وحی کی ایک تعداد کا وجود اس حقیقت کو واضح کردیتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ایک ناممکن بات رہی ہے۔

نیز اس معروف قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بھی موجود نہیں ہے۔ اسکی دلیل بھی بالکل واضح ہے اور تحقیق کا راستہ سب کیلئے کھلا ہے، کیونکہ آج تمام گھروں، تمام مساجد اور ملک کی تمام لائبریریوں میں قرآن موجود ہے۔

یہاں تک کہ صدیوں پہلے لکھے گئے قلمی نسخے ہمارے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ یہ سب بیانگ اہل اعلان کر رہے ہیں کہ یہ وہی قرآن ہیں جو باقی اسلامی ممالک میں موجود ہیں۔ اگر قبل ازیں ان مسائل پر تحقیق کے وسائل فراہم نہ تھے تو آج تو تحقیق کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہے۔ تھوڑی سی تحقیق سے ہی اس طرح کی غلط نسبتوں کا بے بنیاد ہونا ثابت ہوجائے گا۔



"فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" یعنی میرے ان بندوں کو بشارت دو جو باتیں سنتے ہیں اور ان میں سے سب سے اچھی کی پیروی کرتے ہیں۔

(سورہ زمر، آیت ۱۷ و ۱۸)

ہمارے ہاں دینی علوم کے مراکز میں آج بڑے وسیع پیمانے پر قرآنی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کا ایک بہت ہی اہم موضوع قرآن میں تحریف اور تبدیلی کا نہ ہونا ہے۔ (۱)

---

۱۔ ہم ن اپنی کتابوں میں چاہے وہ تفسیر کی ہوں یا اصول کی عدم تحریف کے

## ۲۷۔ انسان کی مادی و معنوی ضروریات اور قرآن

ہمارا عقیدہ ہے کہ: انسان کی معنوی اور مادی زندگی کیلئے ضروری بنیادی اصول قرآن میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں حکومت اور سیاسی معاملات کو چلانے، دوسرے معاشروں سے تعلقات، باہمی زندگی، صلح و جنگ، اور عدالتی و اقتصادی مسائل وغیرہ کے بنیادی اصول و ضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان پر عمل در آمد سے ہماری زندگی روشن ہوجاتی ہے۔

( "و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شی و ھدی و رحمة و بشری للمسلمین" یعنی ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی جو چیزوں کو بیان کرنے والی ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔ (سورہ نحل، آیت ۸۹) )

( اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام ہرگز حکومت اور سیاست سے جدا نہیں ہے۔ اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی حکومت خود چلائیں اور اس کے ذریعے اسلامی اقدار کو زندہ کریں اور اسلامی معاشرے کی تربیت اس طرح کریں کہ سب لوگ عدل و انصاف کے راستے پر گامزن ہوں۔ یہاں تک کہ دوست و دشمن کے معاملے میں بھی عدالت سے کام لیں۔ )

"یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ و لو کان علی انفسکم او الوالدین و الاقربین" یعنی اے ایمان لانے والو مکمل طور پر عدالت قائم کرو اور خدا کے لئے گواہی دو اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہارے یا والدین اور رشتہ داروں کے لئے نقصان دہ ہو۔ (سورہ نساء، آیت ۱۳۵)

---

سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (انوارالاصول اور تفسیر نمونہ کیطرف کریں)۔

"و لا یجر منکم شنئان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی" یعنی کسی گروہ کی دشمنی تمہارے لئے گناہ کرنے اور عدل کا دامن چھوڑ دینے کا باعث ہرگز نہ بننے پائے۔ عدل سے کام لو کہ یہ تقوی اور پرہیزگاری کے نزدیک ہے۔

(سورہ مائدہ، آیت ۸)

## ۲۸۔ تلاوت، تدبر، عمل

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قرآن کی تلاوت بہترین عبادتوں میں سے ایک ہے۔ بہت کم عبادتیں اس کی ہم پلہ ہیں، کیونکہ یہ قرآن کے بارے میں غور و فکر کرنے، تدبر کرنے اور نیک اعمال کا سرچشمہ ہے۔

قرآن پیغمبر اسلامؐ کو مخاطب کر کے کہتا ہے "قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلاً او زد علیہ و رتل القرآن ترتیلاً" یعنی رات کو اٹھو مگر پوری رات نہیں، تھوڑی آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا کچھ زیادہ کر دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر باقاعدہ پڑھو۔ (سورہ مزمل، آیت ۲ تا ۴)

"فاقرؤا ما تیسر من القرآن" یعنی پس جس قدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کرو۔

(سورہ مزمل، آیت ۲۰)۔

لیکن جس طرح بیان کیا گیا تلاوت قرآن اس کے معانی اور مطالب میں تدبر اور تفکر کا ذریعہ ہو۔ اور یہ تفکر و تدبر بھی قرآن پر عمل کا مقدمہ بنے: "افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا" یعنی کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟ (سورہ محمد، آیت ۲۴)

"و لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" یعنی ہم نے قرآن کو نصیحت کے

لئے آسان بنایا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (اور عمل کرنے والا ہے)؟

(سورہ قمر، آیت ۱۷)

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: "ھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہ" یعنی یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے (آپ پر) نازل کیا ہے لہذا اس کی پیروی کرو۔

(سورہ انعام، آیت ۱۵۵)۔

لہذا وہ لوگ جو فقط قرآن کی تلاوت اور اسے حفظ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں نیز قرآن میں تدبر اور اس کے مطابق عمل سے محروم رہتے ہیں، اگرچہ وہ ان تین ارکان میں سے ایک رکن کو انجام دیتے ہیں لیکن دو اہم ارکان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ وہ زبردست خسارے میں ہیں۔



## ۲۹۔ گمراہ کن مباحث

ہمارا عقیدہ ہے کہ: مسلمانوں کو آیات قرآن میں تدبر سے روکنے کے لئے ہمیشہ خفیہ ہاتھ کام کرتے رہے ہیں۔ بنی امیہ اور بنی عباس (۱) کے دور میں قرآن کے قدیم یا حادث ہونے کا مسئلہ چھیڑ کر مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ان کو لڑایا گیا، جس کے نتیجے میں بہت سی جانیں ضائع ہو گئیں۔

---

۱۔ بعض تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ عباسی خلیفہ مامون نے اپنے ایک قاضی کی مدد سے یہ حکم صادر کیا کہ جو لوگ قرآن کو مخلوق نہ سمجھیں انہیں سرکاری عہدوں سے ہٹا دیا جائے اور عدالت میں ان کی گواہی بھی نہ سنی جائے۔ (تاریخ جمع قرآن کریم، ص ۲۶۰)

حالانکہ اب ہم جانتے ہیں کہ یہ موضوعات اختلاف اور نزاع کے قابل نہیں ہیں کیونکہ اگر کلام اللہ سے مراد حروف، نقوش، کتابت اور کاغذ ہو تو کسی شک کے بغیر یہ سب حادث امور ہیں اور اگر اس سے مراد علم پروردگار میں موجود معانی ہوں تو چونکہ خدا کا علم اس کی ذات کی طرح قدیم اور ازلی ہے لہذا یہ بھی ازلی ہے۔ لیکن جابر حکمرانوں اور ظالم خلفاء نے لوگوں کو سالہا سال اس مسئلے میں مشغول رکھا۔ اب کچھ اور مرموز ہاتھ مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے قرآن میں تدبر اور اس پر عمل سے روک رہے ہیں۔

## ۳۰۔ تفسیر قرآن کے اصول و ضوابط

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قرآنی الفاظ کو عرفی اور لغوی معانی پر حمل کرنا چاہیئے مگر یہ کہ آیات کے اندر یا باہر کوئی عقلی یا نقلی قرینہ ہو جو کسی دوسرے معنی پر دلالت کرے۔ لیکن مشکوک شواہد کا سہارا لینے سے پرہیز کیا جائے اور گمان و ظن کے ذریعے قرآنی آیات کی تفسیر نہ کی جائے۔

مثلاً قرآن جب یہ کہتا ہے کہ "و من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الاخرة اعمی" یعنی جو اس دنیا میں نابینا ہوگا وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہوگا، (سورہ اسراء، آیت ۷۲) تو ہمیں یقین ہے کہ یہاں "اعمٰی" سے مراد وہ ظاہری نابینا نہیں ہے جو اعمٰی کا لغوی معنی ہے، کیونکہ بہت سے نیک اور پاک لوگ ظاہری طور پر نابینا اور اندھے تھے، بلکہ اس سے مراد باطنی اندھا پن اور نابینائی ہے۔ یہاں پر عقلی قرینہ اس تفسیر کا باعث بنا ہے۔

اسی طرح قرآن بعض اسلام دشمن لوگوں کے متعلق کہتا ہے: "صم بکم عمی فهم لا یعقلون" یعنی وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اسی وجہ سے کوئی بات نہیں سمجھتے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۷۱)

یہ بات واضح ہے کہ وہ ظاہری طور پر بہرے، گونگے اور اندھے نہیں تھے بلکہ یہ ان کی باطنی صفات تھیں (ہم نے یہ تفسیر ان قرائن حالیہ کی وجہ سے کی ہے جو ہمارے سامنے موجود ہیں۔

بنابریں قرآن جب خدا کے بارے میں یہ کہتا ہے: "بل یداہ مبسوطتان" یعنی خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، (سورہ مائدہ، آیت ۶۴) یا یہ فرماتا ہے: "واصنع الفلک باعیننا" یعنی اے نوح ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا، (سورہ ہود، آیت ۳۷) تو ان آیات کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ خدا جسمانی اعضا مثلاً کان، آنکھ اور ہاتھ رکھتا ہے، کیونکہ ہر جسم اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے اور زمان، مکان اور جہت کا محتاج ہوتا ہے اور آخر کار فنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خدا ان صفات سے منزہ ہے۔ لہذا "یداہ" (اس کے دونوں ہاتھ) سے مراد خدا کی وہی قدرت کاملہ ہے جس نے کائنات کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور "اعین" (آنکھوں) سے مراد تمام چیزوں کے بارے میں اس کا علم ہے۔

لہذا ہم مذکورہ بالا الفاظ (خواہ وہ خدا کی صفات کے متعلق ہوں یا کچھ اور ہوں) سے ہٹ کر عقلی اور نقلی قرائن سے چشم پوشی کو درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ دنیا کے تمام سخنوروں کی روش یہ ہے کہ وہ اس طرح کے قرائن کا سہارا لیتے ہیں اور قرآن نے بھی اسی روش کی تائید کی ہے: "و ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" یعنی ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے۔ (سورہ ابراہیم، آیت ۴) لیکن جیسے پہلے بتایا گیا ہے ان قرائن کا قطعی اور واضح ہونا ضروری ہے۔

## ۳۱۔ تفسیر بالرائے کے خطرات

ہمارا عقیدہ ہے کہ: تفسیر بالرائے قرآن مجید کے خلاف ایک انتہائی خطرناک

منصوبہ ہے۔ احادیث میں اس کا شمار گناہان کبیرہ میں کیا گیا ہے۔ یہ خدا کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کا سبب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا فرماتا ہے: "ما آمن بی من فسّر برایہ کلامی" یعنی جو شخص میرے کلام کی تفسیر اپنی مرضی (اپنی خواہشات) کے مطابق کرے وہ مجھ پر ایمان نہیں لے آیا۔ (وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ صفحہ ۲۸ حدیث ۲۲)

یہ بات واضح ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر ایمان لا چکا ہوتا تو کلام خدا کو اسی طرح قبول کرتا جس طرح کہ وہ ہے نہ کہ اس طرح جس طرح اس کی مرضی اور خواہش ہو۔

بہت سی مشہور کتابوں مثلاً صحیح ترمذی، نسائی، ابو داود، وغیرہ میں نبی اکرمؐ کی یہ حدیث آئی ہے "من قال فی القرآن برایہ او بما لا یعلم فلیتبوء مقعدہ من النار" یعنی جو قرآن کی تفسیر اپنی مرضی سے کرے یا اس کے متعلق بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔ (۱)

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے ذاتی رجحانات اور فردی یا گروہی عقیدے کے مطابق قرآن کا معنی کرے اور قرآن کو ان پر منطبق کرے۔ بغیر اس کے کہ اس مطلب پر کوئی قرینہ یا شاہد موجود ہو۔ ایسا شخص حقیقت میں قرآن کا تابع نہیں ہے بلکہ قرآن کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ قرآن پر مکمل ایمان رکھتا تو اس طرح کا کام ہرگز نہ کرتا۔

اگر قرآن کے سلسلے میں تفسیر بالرائے کا دروازہ کھل جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ قرآن مجید کا اعتبار اٹھ جائے گا اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کا معنی کرے گا

---

۱۔ مباحث فی علوم القرآن ص ۳۰۴۔ یہ کتاب ریاض کے مشہور عالم مناع الخلیل القطان کی تصنیف ہے۔

اور ہر باطل عقیدے کو قرآن پر منطبق کرے گا۔

لہذا تفسیر بالرائے سے مراد ہے لغوی معانی، ادبیات عرب اور فہم اہل زبان کے معیاروں کے برخلاف قرآن کی تفسیر کرنا اور اس کو اپنے باطل خیالات اور ذاتی خواہشات پر منطبق کرنا۔ یہ حقیقت میں قرآن کی معنوی تحریف ہے۔

تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک آیات قرآنی کے متعلق انتخابی رویہ اپنانا ہے۔ وہ یوں کہ (بطور مثال) شفاعت، توحید اور امامت جیسے موضوعات میں صرف ان آیات کے پیچھے جائے جو پہلے سے طے شدہ عقیدے کے مطابق ہوں اور ان آیات سے (جو اس کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ نہیں لیکن دوسری آیات کی تفسیر کر سکتی ہیں) چشم پوشی کرے یا ان پر توجہ ہی نہ دے۔

مختصر یہ کہ جس طرح قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے ہٹ کر معتبر عقلی و نقلی قرائن کو نظرانداز کر دینا ایک طرح کا انحراف ہے اسی طرح تفسیر بالرائے بھی ایک انحراف ہے۔ یہ دونوں چیزیں قرآن کی عظیم تعلیمات اور قرآن کے اقدار سے دوری کا باعث بنتی ہیں۔ (غور کیجیے)



## ۳۴۔ سنت کا سرچشمہ، کتاب اللہ ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: کوئی "کفانا کتاب اللہ" (یعنی ہمارے لئے قرآن کافی ہے) نہیں کہہ سکتا اور احادیث و سنت نبوی کو (جو قرآنی حقائق کی تشریح، قرآن کے ناسخ و منسوخ اور خاص و عام کی فہم سے متعلق ہیں یا اصول و فروع دین کے سلسلے میں اسلام کی تعلیمات کو بیان کرتی ہیں) نظرانداز نہیں کرسکتا، کیونکہ قرآنی آیات نے پیغمبر اکرمؐ کی سنت اور ان کے افعال و اقوال کو مسلمانوں کیلئے حجت قرار دیا ہے اور انھیں اسلام اور

احکام کے استنباط کا ایک اصلی ماخذ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "و ما آتیکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا" یعنی رسول نے جو کچھ، تمہیں دیا ہے (اور تمہیں اس کام حکم دیا ہے) اسے لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس چیز سے اس نے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔ (سورہ حشر، آیت ۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "و ما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللّٰہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا" یعنی جب اللہ اور رسول کسی چیز کا حکم دیں تو کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی پر عمل کریں۔ جو بھی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ واضح گمراہی کا شکار ہوا ہے۔ (سورہ احزاب، آیت ۳۶)

جو لوگ سنت رسول کی پرواہ نہیں کرتے حقیقت میں وہ قرآن کی پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ سنت پیامبرؐ کا معتبر ذریعے سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو بھی شخص جو کوئی بات آنحضرت سے منسوب کرے اسے بے چون و چرا قبول کیا جائے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں کہ "و لقد کذب علی رسول اللّٰہ (ص) حتی قام خطیباً فقال: من کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار" یعنی آنحضرت کے دور میں آپ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں، یہاں تک کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: جو شخص بھی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اسے جہنم میں اپنے ٹھکانے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۰) اسی سے ملتی جلتی روایت صحیح بخاری میں بھی آئی ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ۱ صفحہ ۳۸ - باب اثم من کذب علی النبی)۔

## ۲۲۔ آئمہ اہل بیتؑ کی سنت

نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبر اکرمؐ کے حکم کی روسے ائمہ اہل بیتؑ کی احادیث کی اطاعت بھی واجب ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ کہ فریقین کی مشہور و معروف کتب احادیث میں سے اکثر کتابوں میں ایک متواتر حدیث بیان ہوئی ہے جو اس بات کو صریحاً بیان کرتی ہے۔ صحیح ترمذی میں مذکور ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "یا ایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی" یعنی اے لوگو میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ رہا ہوں جس سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، وہ کتاب اللہ اور میری عترت (یعنی اہلبیت) سے عبارت ہے۔ (۱)

ثانیاً یہ کہ آئمہ اہل بیتؑ نے اپنی تمام احادیث پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہیں اور فرمایا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں وہ ہمارے آباؤ اجداد کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ سے ہم تک پہنچا ہے۔



ہاں: پیغمبر اکرم مسلمانوں کے مستقبل اور ان کی مشکلات کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے۔ اس لئے آپؐ نے قرآن اور ائمہ کی پیروی کو رہتی دنیا تک ان کی روز افزوں مشکلات کا حل قرار دیا۔

کیا اس قدر اہم، بامعنی اور مستند حدیث کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے اور بڑے آرام سے اس سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے؟۔

---

۱۔ صحیح ترمذی، جلد ۵ صفحہ ٦٦٢ باب مناقب اهل بیت النبی (ص)، حدیث ۳۷۸٦۔ اس حدیث کی متعدد اسناد کا امامت کی بحث میں تفصیل سے ذکر ہوگا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اگر اس بات پر اور زیادہ توجہ دی جاتی تو آج کے مسلمان عقائد، تفسیر اور فقہی مسائل میں جن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں ان میں سے کئی ایک مشکلات موجود نہ ہوتیں۔

چوتھا باب

# قیامت، موت کے بعد دوسری زندگی

## ۳۴۔ قیامت کے بغیر زندگی بے مقصد ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: موت کے بعد تمام انسان ایک دن زندہ ہوں گے اور ان کے اعمال کا حساب ہوگا۔ نیک اور صالح لوگ جنت جاوداں میں جائیں گے، جبکہ گنہگار اور برے لوگ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔



ارشاد ہوتا ہے: "اللہ لا الہ الا ھو لیجمعنکم الی یوم القیمۃ لا ریب فیہ" یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقیناً وہ تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (سورہ نساء، آیت ۸۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "فاما من طغی، و اثر الحیوۃ الدنیا، فان الجحیم ھی الماوی، و اما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوی، فان الجنۃ ھی الماوی" یعنی البتہ وہ کہ جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی، یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے پروردگار کے مقام (عدالت) سے ڈرے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکے یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ (سورہ نازعات، آیات ۳۷-۴۱)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: حقیقت میں دنیا ایک پل ہے جس سے گزر کر انسان نے عالم

بقاء میں جانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ دنیا آخرت کیلئے ایک یونیورسٹی یا بازار تجارت یا کھیتی ہے۔

حضرت علیؑ دنیا کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "ان الدنیا دار صدق لمن صدقها ..... و دار غنی لمن تزود منها، و دار موعظة لمن اتعظ بها، مسجد احباء اللہ و مصلی ملائکۃ اللہ و مهبط وحی اللہ و متجر اولیاء اللہ" یعنی دنیا اس شخص کیلئے صداقت اور سچائی کی جگہ ہے جو اس کے ساتھ سچائی سے پیش آئے، اور بے نیازی کی جگہ ہے اس کیلئے جو اس سے زاد راہ جمع کرے۔ نیز بیداری و ہوشیاری کی جگہ ہے اس کیلئے جو اس سے عبرت حاصل کرے۔ یہ خدا کے دوستوں کیلئے مسجد ہے، خدا کے فرشتوں کیلئے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، وحی الٰہی کے اترنے کی جگہ ہے اور اولیاء اللہ کیلئے ایک تجارت گاہ ہے۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار، نمبر ۱۳۱)



## ۳۵۔ قیامت کے دلائل واضح ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قیامت کے دلائل بہت واضح ہیں کیونکہ:

۱۔ اس دنیا کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ دنیا انسان کی خلقت کا آخری مقصد نہیں ہوسکتا، تاکہ وہ چند دنوں کیلئے آئے، ہزاروں مشکلات میں زندگی بسر کرے اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہوجائے اور وہ راہی عدم بن جائے۔ "افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لاترجعون" یعنی کیا تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کے نہیں آنا؟ (سورہ مومنون، آیت ۱۱۵)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو دنیا کی زندگی عبث اور لغو ہوتی۔

۲۔ عدل خداوندی کا یہ تقاضا ہے کہ نیک اور برے لوگ جو اس دنیا میں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں بلکہ کبھی تو برے آگے نکل جاتے ہیں، ایک دوسرے سے جدا ہوں اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل سکے۔ "ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا و عملوا الصالحات سواء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون" یعنی جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح قرار دیں گے جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں؟ اور ان کی زندگی اور موت ایک جیسی ہوگی؟ وہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(سورہ جاثیہ، آیت ۲۱)

۳۔ خدا کی بے پایاں رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے فیض اور نعمت کا سلسلہ انسان کی موت سے ختم نہ ہو، بلکہ باصلاحیت اور اہل افراد کے تکامل کا سلسلہ آگے بڑھتا رہے۔ "کتب علی نفسہ الرحمۃ لیجمعنکم الی یوم القیمۃ لاریب فیہ" یعنی خدا نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کیا ہے۔ وہ تم سب کو ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (سورہ انعام، آیت ۱۲)

جو لوگ قیامت کے سلسلے میں شک و تردید کے شکار تھے قرآن ان سے کہتا ہے: یہ کیسے ممکن ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کے سلسلے میں تم خدا کی قدرت میں شک کرو، حالانکہ تمہیں پہلی مرتبہ بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے۔ جس نے تمہیں پہلی بار مٹی سے پیدا کیا ہے وہی تمہیں ایک بار پھر دوسری زندگی کی طرف پلٹائے گا۔ "افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید" یعنی کیا ہم پہلی خلقت سے تھک گئے (جو قیامت کی خلقت پر قادر نہ ہوں)؟ لیکن وہ (ان واضح دلائل کے باوجود) نئی خلقت کے متعلق شک کرتے ہیں۔ (سورہ ق، آیت ۱۵)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "و ضرب لنا مثلاً و نسی خلقه قال من یحی العظام و هی رمیم، قل یحییها الذی انشاها اول مرة و هو بکل خلق علیم" یعنی اس نے ہمارے لئے ایک مثال گھڑی۔ لیکن اپنی آفرینش کو بھلا بیٹھا اور کہا کون ان بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ کیونکہ جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا ہے وہ انھیں دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر مخلوق کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ (سورہ یٰس، آیت ۷۸ و ۷۹)

علاوہ ازیں کیا زمین اور آسمان کی خلقت کے مقابلے میں انسان کی خلقت کوئی بڑی بات ہے؟ جو ہستی یہ قدرت رکھتا ہے کہ اس قدر وسیع اور حیرت انگیز کائنات کو پیدا کرے وہ یہ طاقت بھی رکھتا ہے کہ موت کے بعد مردوں کو زندہ کردے۔ "ا و لم یروا ان الله الذی خلق السموات و الارض و لم یعی بخلقهن بقادر علی ان یحی الموتی بلی انه کل شی قدیر" یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور جو ان کی خلقت سے عاجز نہیں ہوا، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ احقاف، آیت ۳۳)



## ۳۶۔ معاد جسمانی

ہمارا عقیدہ ہے کہ: نہ صرف انسان کی روح بلکہ جسم اور روح دونوں ہی دوسری دنیا میں جائیں گے اور ایک نئی زندگی شروع ہوگی۔ کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ انجام پایا تھا وہ اسی روح اور بدن کے ذریعے انجام پایا تھا، لہذا سزا اور جزا بھی دونوں کو ملنی چاہئے۔

قرآن مجید میں قیامت سے متعلق اکثر آیات میں "معاد جسمانی" کی بات کی گئی ہے اور مخالفین کے اس تعجب کا کہ بوسیدہ ہڈیاں کیسے نئی زندگی حاصل کریں گی، قرآن نے یہ جواب دیا ہے: "قل یحییها الذی انشاها اول مرة" یعنی جس نے انسان کو پہلی

بار خاک سے پیدا کیا ہے وہ اس طرح کے کام پر قادر ہے۔ (سورہ یٰس، آیت ۷۹)

"ا یحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ، بلی قادرین علی ان نسوی بنانہ" یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی (بوسیدہ) ہڈیوں کو جمع (اور زندہ) نہیں کر پائیں گے؟ ہاں ہم قدرت رکھتے ہیں اس کی (انگلیوں کے) پوروں کو بھی درست کردیں (اور پہلی حالت میں پلٹا دیں)۔ (سورہ قیامت، آیات ۳ و ۴)

یہ آیات اور ان کی طرح کی دوسری آیات معاد جسمانی کو صریحاً بیان کرتی ہیں۔

وہ آیات جو یہ کہتی ہیں کہ تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھایا جائے گا، وہ بھی واضح طور پر جسمانی معاد کا پر دلالت کر رہی ہیں۔ (۱)

قرآن میں قیامت سے متعلق اکثر آیات روحانی معاد اور جسمانی معاد دونوں کو بیان کرتی ہیں۔



## ۴۷۔ موت کے بعد کی عجیب دنیا

ہمارا عقیدہ ہے کہ: موت کے بعد قیامت اور پھر بہشت و دوزخ کے سلسلے میں جو کچھ رونما ہوگا اس کی عظمت کا ہم اس محدود دنیا میں اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ارشاد ربانی ہے:

"فلا تعلم ما اخفی لھم من قرۃ اعین" یعنی کوئی نہیں جانتا، ان (نیک لوگوں) کیلئے کیسی نعمتیں رکھی گئی ہیں جو ان کی آنکھوں کیلئے ٹھنڈک کی باعث ہیں۔

(سورہ سجدہ، آیت ۱۷)

---

۱۔ مثلاً سورہ یٰس کی آیات نمبر ۵۱ و ۵۲، سورہ قمر کی آیت ۷ اور سورہ معارج کی آیت ۴۳۔

نبی اکرمؐ کی ایک بہت ہی مشہور حدیث میں مذکورہ ہے: "ان اللّٰہ یقول اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر" یعنی خدا نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک نہیں آیا۔ (۱)

حقیقت میں ہم اس دنیا میں اس جنین کے مانند ہیں جو شکم مادر کی محدود دنیا میں رہ رہا ہو۔ اگر فرضاً جنین عقل اور ہوش بھی رکھتا تو وہ ان حقائق کا ادراک نہیں کرسکتا جو رحم مادر سے باہر کی دنیا میں موجود ہیں، مثلاً درخشان سورج اور چاند، باد بہاری کے چلنے، پھولوں کے منظر اور سمندر کی لہروں کی آواز کو ہرگز درک نہیں کرتا۔ قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ویسی ہی ہے جیسی دنیا کے معاملے میں جنین کی۔

(اس نکتے پر غور فرمایئے)۔



## ۳۸۔ قیامت اور نامہ اعمال

ہمارا عقیدہ ہے کہ: وہ اعمال نامے جو ہمارے اعمال کی نشاندہی کر رہے ہوں گے۔ اس دن ہمارے ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ نیک لوگوں کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں جبکہ برے لوگوں کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نیک اور مومن لوگ اپنا نامہ اعمال دیکھ کر خوش ہوں گے جبکہ برے لوگ اپنا نامہ اعمال دیکھ کر بہت

---

۱۔ معروف محدثین مثلاً بخاری و مسلم اور مشہور مفسرین مثلاً طبرسی، آلوسی اور قرطبی نے یہ حدیث اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔

غمگین اور پریشان ہوں گے۔ قرآن نے بھی یہ بیان فرمایا ہے: "فاما من اوتی کتابه بیمینه فیقول هاؤم اقرؤا کتابیه، انی ظننت انی ملاق حسابیه، فهو فی عیشة راضیة، ..... و اما من اوتی کتابه بشماله فیقول یا لیتنی لم اوت کتابیه" یعنی وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (وہ خوشی سے) پکارے گا کہ (اے اہل محشر) میرا نامہ اعمال پکڑ کر پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے اعمال کا نتیجہ پاؤں گا۔ وہ ایک پسندیدہ زندگی گزارے گا۔ لیکن جس شخص کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔ (سورہ الحاقہ، آیات ۱۹-۲۵)

البتہ یہ بات واضح نہیں کہ نامہ اعمال کیا ہے اور کس طرح لکھا جاتا ہے، جو اس کے اندر لکھی ہوئی باتوں کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکے گا۔ چنانچہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ معاد اور قیامت کی کچھ ایسی تفصیلات اور جزئیات ہیں جن کا ادراک دنیا کے لوگوں کیلئے مشکل یا ناممکن ہے۔ البتہ قیامت کے بارے میں موٹی موٹی باتیں سب کو معلوم ہیں اور یہ ناقابل انکار ہیں۔



## ۳۹۔ قیامت کے گواہ

ہمارا عقیدہ ہے: قیامت کے دن علاوہ اس کے کہ اللہ خود ہمارے اعمال پر گواہ اور شاہد ہے، کچھ دوسرے گواہ بھی ہمارے اعمال پر گواہی دیں گے۔ ہمارے ہاتھ اور پاؤں یہاں تک کہ ہمارے بدن کی جلد اور وہ زمین جس پر ہم رہ رہے ہیں، اس کے علاوہ دوسری تمام چیزیں ہمارے اعمال کی گواہ اور شاہد ہیں۔

"الیوم نختم علی افواههم و تکلمنا ایدیهم و تشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون" یعنی ہم آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ

ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔
(سورہ یس، آیت ۶۵)

"و قالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء" یعنی وہ اپنے بدن کے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب میں کہیں گے: جس خدا نے ہر چیز کو گویائی عطا کی ہے اس نے ہمیں گویائی عطا کی۔ (اور تمہارے اعمال سے پردہ ہٹانے کی ذمہ داری ہمیں سونپی ہے)۔ (سورہ فصلت، آیت ۲)

"یومئذ تحدث اخبارھا، بان ربک اوحی لھا" یعنی اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ تیرے رب نے اس پر وحی کی ہے (کہ یہ ذمہ داری انجام دے)۔
(سورہ زلزلہ، آیت ۴ و ۵)

## ۳۰۔ پل صراط اور میزان اعمال

ہم قیامت کے دن پل صراط اور میزان کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں۔
صراط وہی پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتی ہے اور سب کو اس سے گزرنا ہوگا۔
ہاں جنت کا راستہ جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے۔

"و ان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا، ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیھا جثیا" یعنی تم سب کے سب جہنم میں وارد ہوگے۔ یہ تمہارے پروردگار کا یقینی اور حتمی امر ہے۔ اس کے بعد متقی لوگوں کو ہم اس سے نجات دیں گے اور ظالموں کو اس کے اندر زانو کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (سورہ مریم، آیات ۷۱ و ۷۲)
اس خطرناک اور مشکل راستے سے گزرنا ہمارے اعمال سے وابستہ ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث ہے: "منھم من یمر مثل البرق، و منھم من یمر مثل عدو الفرس، و

منهم من یمر حبواً و منهم من یمر مشیاً و منهم من یمر متعلقاً قد تاخذ النار منه شیئاً و تترک شیئا" یعنی کچھ لوگ بجلی کی طرح اس سے گزر جائیں گے، کچھ گھوڑے کی سی تیزی کے ساتھ، بعض ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل، کچھ پیدل چلنے والوں کی طرح اور بعض اس سے لٹک کر چلیں گے۔ کبھی جہنم کی آگ ان سے کچھ چیزیں لے لے گی اور کچھ چیزیں چھوڑ دے گی۔ (۱)

"میزان" جیساکہ اس کے نام سے واضح ہے انسانوں کے اعمال جانچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاں اس دن ہمارے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ہر عمل کے وزن اور قدر و قیمت کا علم ہو جائے گا۔

"و نضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیئا و ان کان مثقال حبة من خردل اتینا بها و کفی بنا حاسبین" یعنی ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو نصب کریں گے پھر کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اگرچہ کسی کا عمل (اچھے اور برے اعمال) رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو، ہم اسے حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کے واسطے بہت کافی ہیں۔ (سورہ انبیاء، آیت ۴۷)

---

۱۔ یہ حدیث معمولی سے فرق کے ساتھ فریقین کی کتابوں میں آئی ہے مثلاً کنز العمال حدیث ۳۹۰۳۶ اور قرطبی جلد ۶ صفحہ ۴۱۷۵ (سورہ مریم کی آیت ۷۱ کے ذیل میں)، نیز شیخ صدوق نے اپنی آمالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی "الصراط جسر جهنم" کے عنوان سے ایک باب موجود ہے۔
(دیکھئے صحیح بخاری، جلد ۸ صفحہ ۱۴۶)۔

"فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ، و اما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ" یعنی البتہ وہ شخص جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ ایک خوشحال زندگی گزارے گا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(سورہ قارعہ، آیات ۶-۹)

ہاں! ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کی نجات اور کامیابی کا دارومدار اس کے اعمال پر ہے نہ اس کی آرزوں اور تصورات پر۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا۔ نیکی اور تقوی کے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوگا۔ "کل نفس بما کسبت رھینۃ" یعنی ہر کوئی اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے۔ (سورہ مدثر، آیت ۳۸)

پل صراط اور میزان کے بارے میں یہ ایک مختصر سی وضاحت تھی، اگرچہ ان کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں ہے جیساکہ پہلے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آخرت کی دنیا اس دنیا سے بہت بڑی ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ لہذا اس عالم کی تمام باتوں کا ادراک ہم مادی دنیا کے قیدی انسانوں کے لئے مشکل یا ناممکن ہے۔



## ۴۱۔ قیامت کے دن شفاعت

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قیامت کے دن انبیاء، آئمہ معصومینؑ اور اولیاء اللہ خدا کے اذن سے بعض گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور خدا کی بخشش انہیں نصیب ہوجائے گی۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ اجازت فقط ان لوگوں کیلئے ہوگی جنہوں نے اللہ اور اولیاء اللہ سے اپنا رابطہ قائم رکھا ہوگا۔ لہذا شفاعت مشروط ہے۔ یہ بھی ہماری نیتوں اور اعمال سے ایک طرح کا تعلق رکھتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: "و لا یشفعون الا لمن ارتضی" یعنی وہ صرف اسی کی شفاعت

کریں گے جس کی شفاعت پر خدا راضی ہوگا۔ (سورہ انبیاء، آیت ۲۸)

جس طرح پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے "شفاعت" انسانوں کی تربیت کا ایک ذریعہ اور گناہ میں غوطہ ور ہونے سے روکنے کا ایک طریقہ، نیز اولیاء اللہ سے تعلقات اور روابط برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے گویا یہ انسان سے کہتا ہے: اگر تم سے کوئی گناہ ہو بھی گیا ہے تو یہیں سے لوٹ جاؤ اور اس سے زیادہ گناہ مت کرو۔

یقینی طور پر "شفاعت عظمیٰ" کا مقام پیغمبر اسلامؐ کو حاصل ہے۔ ان کے بعد باقی انبیاء، آئمہ معصومینؑ یہاں تک کہ شہداء، علماء، صاحب معرفت اور کامل مومنین، نیز قرآن اور نیک اعمال بھی بعض افراد کی شفاعت کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے "ما من احد من الاولین و الاخرین الا و هو یحتاج الی شفاعة محمد (ص) یوم القیامة" یعنی اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قیامت کے دن حضرت محمدؐ کی شفاعت کا محتاج نہ ہو۔ (بحار الانوار: جلد ۸ صفحہ ۴۲)

کنز العمال میں نبی اکرمؐ کی ایک حدیث یوں کہتی ہے: "الشفعاء خمسة: القرآن و الرحم و الامانة و نبیکم و اهل بیت نبیکم" یعنی روز قیامت شفاعت کرنے والے پانچ ہوں گے۔ قرآن، صلہ رحمی، امانت، تمہارے نبی اور تمہارے نبی کے اہلبیتؑ۔

(کنز العمال، حدیث ۳۹۰۴۱ جلد ۱۴ صفحہ ۳۹۰)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک اور حدیث کچھ یوں ہے۔ "اذا کان یوم القیامة بعث الله العالم و العابد، فاذا وقفا بین یدی الله عزوجل قیل للعابد انطلق الی الجنة، و قیل للعالم قف تشفع للناس بحسن تادیبک لهم" یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا عالم اور عابد کو اٹھائے گا۔ جب وہ دونوں خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو

عابد سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہوجاؤ اور عالم سے کہا جائے گا کھڑے رہو اور لوگوں کی جو اچھی تربیت تم نے کی تھی اس کی بناء پر ان کی شفاعت کرو۔

(بحار الانوار، جلد ۸ صفحہ ۵۶ حدیث ۲۶)

یہ حدیث شفاعت کے فلسفہ کی طرف بھی لطیف اشارہ کر رہی ہے۔

## ۴۲۔ عالم برزخ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک تیسری دنیا بھی موجود ہے۔ جس کا نام "عالم برزخ" ہے۔ موت کے بعد اور قیامت تک تمام انسانوں کی روحیں اس میں ٹھہریں گی۔

"و من ورائهم برزخ الی یوم یبعثون" یعنی اور ان کے پیچھے (موت کے بعد قیامت تک ایک برزخ ہے۔ (سورہ مؤمنون، آیت ۱۰۰)

البتہ ہم عالم برزخ کی جزئیات سے بھی زیادہ آگاہی نہیں رکھتے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ہم بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ نیک اور صالح لوگوں کی روحیں جو بلند درجات کی حامل ہیں (جیسے شہداء کی روحیں) عالم برزخ میں بہت سی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی ہیں۔

"و لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون" یعنی ایسا ہرگز مت سوچو کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے اللہ کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۶۹)

نیز ظالموں، مستکبروں اور ان کے حامیوں کی روحیں عالم برزخ میں عذاب پائیں گی۔ جس طرح کہ قرآن نے فرعون اور آل فرعون کے بارے میں کہا ہے: "النار یعرضون علیها غدوا و عشیا و یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" یعنی (برزخ میں

ان کا عذاب (جہنم کی) آگ ہے۔ انہیں صبح و شام اس کے آگے کیا جائے گا۔ اور جب قیامت برپا ہوگی (تو ارشاد ہوگا) کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کردو۔

(سورہ مومن، آیت ۴۶)

لیکن تیسرا گروہ جن کے گناہ تھوڑے ہیں وہ نہ اس گروہ کے ساتھ ہیں اور نہ اس گروہ کے ساتھ۔ وہ عذاب و سزا سے بچے رہیں گے۔ گویا وہ عالم برزخ میں نیند جیسی حالت میں ہوں گے اور قیامت کے دن بیدار ہوں گے۔

"و یوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة ..... و قال الذین اوتوا العلم و الایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث و لکنکم کنتم لا تعلمون" یعنی اور جس دن قیامت آئے گی تو گنہگار قسم کھائیں گے کہ وہ عالم برزخ میں ایک گھڑی ہی ٹھہرے تھے۔ لیکن وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا ہے (وہ مجرموں کو مخاطب کر کے کہیں گے) تم خدا کے حکم سے قیامت کے دن تک (برزخ کی دنیا میں) ٹھہرے ہوئے تھے۔ اب قیامت کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے۔

(سورہ روم، آیت ۵۶)

احادیث میں بھی ذکر ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ "القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران" یعنی قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ (۱)

---

۱۔ دیکھئے صحیح ترمذی، جلد ۴، کتاب صفة القیامة، باب ۲۶، حدیث ۲۴۶۰۔
شیعہ مآخذ میں یہ حدیث کہیں امیر المومنین (ع) سے اور کہیں امام علی بن الحسین (ع) سے روایت کی گئی ہے۔ (بحار الانوار ج ۶، ص ۲۱۴ و ۲۱۸)۔

## ۴۳۔ مادی اور معنوی صلے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: قیامت کے دن ملنے والا صلہ مادی پہلو بھی رکھتا ہے اور معنوی بھی، کیونکہ معاد روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی بھی ہوگا۔

قرآن کریم اور احادیث میں بہشت کے باغات کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ "جنات تجری من تحتها الانهار" (سورہ توبہ، آیت ۸۹) اور یہ کہ جنت کے باغات کے پھل اور سائے ابدی ہوں گے۔ "اکلها دائم و ظلها" (سورہ رعد، آیت ۳۵) اور مومن لوگوں کیلئے بہشت میں بیویاں موجود ہوں گی۔ "و ازواج مطهرة" (سورہ آل عمران، آیت ۱۵)۔ یاد رہے کہ یہ اور اسی طرح جہنم کی جلانے والی آگ اور اس کی دردناک سزاؤں کا جو تذکرہ آیا ہے وہ سب عالم آخرت کی جسمانی سزا و جزاء سے مربوط ہیں۔

لیکن ان سے بڑھ کر معنوی نعمتیں، معرفت الٰہی کے انوار، پروردگار کا روحانی قرب اور اس کے جمال کے جلوے ہیں۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جو زبان و بیان کے ذریعے قابل وصف نہیں ہیں۔

قرآن کی بعض آیات میں جنت کی بعض مادی نعمتوں (سرسبز و شاداب باغات اور پاکیزہ گھروں) کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوا ہے: "و رضوان من الله اکبر" یعنی خدا کی خوشنودی اور رضا سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "ذلک هو الفوز العظیم" یعنی یہی تو عظیم کامیابی ہے (سورہ توبہ، آیت ۷۲)۔ جی ہاں اس سے بڑھ کر لذت بخش بات اور کونسی ہوگی کہ انسان یہ محسوس کرے کہ اس کے عظیم اور پیارے معبود نے اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشا ہے اور اسے اپنی خوشنودی کے سائے میں جگہ دی ہے؟

امام علی بن الحسین علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ "یقول (اللہ) تبارک و تعالی رضای عنکم و محبتی لکم خیر و اعظم مما انتم فیہ ....." یعنی خداوند متعال ان سے کہے گا کہ تم سے میری خوشنودی اور تم سے میری محبت ان نعمتوں سے بہتر اور برتر ہیں جو تمہیں حاصل ہیں۔ وہ سب یہ بات سنیں گے اور اس کی تصدیق کریں گے۔ (۱)

سچ مچ اس سے بڑھ کر کونسی لذت ہو سکتی ہے کہ انسان سے کہا جائے "یا ایتھا النفس المطمئنۃ، ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی" یعنی تو اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے، پس میرے بندوں کی صف میں شامل ہوجاؤ اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ؟ (سورہ فجر، آیت ۲۷-۳۰)



---

۱۔ تفسیر عیاشی، سورہ توبہ کی آیت ۷۲ کے ذیل میں، بروایت المیزان جلد ۹۔

## پانچواں باب

# امامت

### ۴۴۔ ہر دور میں امام موجود رہا ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: جس طرح خدا کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انبیاء مبعوث کرے، اسی طرح اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر دور اور زمانے میں انبیاء کے بعد انسانوں کی ہدایت کیلئے ان کی طرف کوئی امام اور راہنما بھیجا جائے، تاکہ وہ انبیاء کی شریعتوں اور ادیان الٰہی کو تحریف و تغیر و تبدل سے بچائے، ہر دور کی ضروریات کو واضح کرے اور لوگوں کو خدا اور انبیاء کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو انسان کی خلقت کا مقصد جو اسے کمال اور سعادت کی منزل تک پہنچانا ہے پورا نہیں ہوگا، انسان ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں ہوسکے گا، انبیاء کی شریعتیں ضائع ہوجائیں گی اور لوگ سرگرداں ہوجائیں گے۔

اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد ہر دور اور زمانے میں کوئی نہ کوئی امام موجود رہا ہے۔ "یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین" یعنی اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ (سورہ توبہ، آیت ۱۱۹)

یہ آیت کسی خاص دور سے مختص نہیں اور بلا چون و چرا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے میں ایک ایسا امام معصوم موجود ہے جس کی پیروی ضروری ہے۔ بہت سے شیعہ

اور سنی مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱)

## ۴۵۔ امامت کیا ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ: امامت فقط ظاہری حکومت کا عہدہ نہیں ہے بلکہ ایک نہایت بلند روحانی اور معنوی منصب ہے۔ امام اسلامی حکومت کی قیادت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا کے معاملے میں ہمہ گیر ہدایت کا بھی ذمہ دار ہے۔ امام لوگوں کی روحانی و فکری راہنمائی کرتا اور پیغمبر اسلامؐ کی شریعت کو جملہ تحریفات اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام ان اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے جن کیلئے پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہوئے تھے۔

---

۱۔ اس آیت پر کافی گفتگو کرنے کے بعد فخر الدین رازی نے یوں کہا ہے: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس سے بھی غلطی کا امکان ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ اس شخص کا پیروکار اور مطیع ہو جو معصوم ہو، اور معصومین وہی ہیں جنہیں خدا نے "صادقین" کا لقب عطا کیا ہے۔ لہذا یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس سے خطا کا امکان ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معصوم کا پیروکار اور تابعدار ہو تاکہ معصوم (جو خطا نہیں کرتا) اس انسان کو (جس سے خطا کا امکان ہے) خطا سے روکے۔ یہ مسئلہ تمام زمانوں میں جاری و ساری ہے اور کسی خاص زمانے کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر دور میں غلطی سے معصوم ایک شخصیت موجود ہے۔ (دیکھئے: تفسیر کبیر، جلد ۱۶ صفحہ ۲۲۱)۔

یہ وہی عظیم منصب ہے جو خدا نے ابراہیم خلیل اللہ کو رسالت و نبوت کا راستہ طے کرنے اور متعدد امتحانات میں کامیابی کے بعد عطا کیا۔ انہوں نے بھی خدا کے حضور اپنی ذریت اور اولاد میں سے بعض کیلئے اس عظیم منصب کی درخواست کی اور انہیں یہ جواب ملا کہ ظالم و گنہگار لوگ ہرگز اس رتبے پر فائز نہیں ہو سکیں گے۔

"و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال و من ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین" یعنی اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے ابراہیم کو مختلف چیزوں سے آزمایا اور وہ خدا کی آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلا۔ خدا نے فرمایا میں نے تجھے لوگوں کا امام بنایا ہے۔ ابراہیم نے عرض کی، میری نسل میں سے بھی امام بنائیے۔ خدا نے فرمایا، میرا عہد (امامت) ہرگز ظالموں کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ (اور تیری نسل سے فقط معصوم لوگوں کو عطا ہوگا)۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

واضح ہے کہ اس قدر عظیم منصب صرف ظاہری حکومت سے عبارت نہیں ہو سکتا۔ اگر امامت کا مفہوم وہ نہ ہو جو ہم نے اوپر بیان کیا تو مذکورہ بالا آیت کا کوئی واضح مفہوم نہیں رہے گا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: تمام اولوالعزم انبیاء کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی رسالت کے ذریعے پیش کیا اس پر خود عمل کیا۔ وہ لوگوں کے معنوی، مادی، ظاہری اور باطنی قائد تھے۔ خاص کر پیغمبر اسلامؐ تو اپنی نبوت کے آغاز سے ہی امامت اور رہبری کے عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ ان کا کام فقط خدا کے احکام کو آگے پہنچانا نہیں تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبر اکرمؐ کے بعد امامت کا سلسلہ ان کی پاک ذریت کے درمیان جاری رہا۔

امامت کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام تک رسائی دشوار شرائط کی حامل ہے۔ خواہ تقویٰ (ہر گناہ سے معصوم ہونے کی حد تک) کے لحاظ سے ہو یا علم و دانش اور دین کے تمام معارف و احکامات کو جانتے نیز انسانوں کی شناخت اور ہر عصر میں ان کی ضروریات کو پہچانتے کے حوالے سے۔ (غور کیجئے)۔

## ۴۶۔ امام، گناہ اور غلطی سے معصوم ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: امام کو ہر گناہ اور غلطی سے معصوم ہونا چاہیئے، کیونکہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بیان شدہ بات کے علاوہ غیر معصوم شخص پر مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس سے دین کے اصول و فروع اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کی گفتگو، اس کے افعال اور تقریر کی طرح حجت اور شرعی دلیل ہے۔ (تقریر سے مراد یہ ہے کہ امام کے سامنے کوئی کام انجام دیا جائے اور وہ اپنی خاموشی کے ذریعے اس کی تائید کرے)۔



## ۴۷۔ امام، شریعت کا محافظ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: امام ہرگز اپنے ساتھ کوئی شریعت یا دین لے کر نہیں آتا بلکہ اس کی ذمہ داری پیغمبر کے دین کی حفاظت اور آپ کی شریعت کی نگہبانی ہے۔ اس کا کام دین کی تبلیغ و تعلیم، دین کی حفاظت اور لوگوں کو اس دین کی طرف بلانا ہے۔

## ۴۸۔ امام، لوگوں میں سب سے زیادہ اسلام سے آگاہ ہے

نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ: امام کو اسلام کے تمام اصول و فروع، احکام و قوانین اور

قرآن کے معانی و تفسیر سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہیئے۔ ان چیزوں کے متعلق اس کے علم کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے اور یہ علم پیغمبر کے ذریعے اسے حاصل ہوتا ہے۔

جی ہاں! اس طرح کے علم پر ہی لوگوں کو مکمل اعتماد ہوسکتا ہے اور اسلام کی حقیقتوں کو سمجھنے کیلئے اس پر ہی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

## ۴۹۔ امام کو منصوص ہونا چاہیئے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: امام (جانشین پیغمبر) کو منصوص ہونا چاہئے، یعنی اس کی امامت پیغمبرؐ کے صریح اور واضح فرمان کے مطابق ہونی چاہیئے اور بعد والے امام کیلئے پہلے امام کی تصریح ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر امام بھی پیغمبرؐ کی طرح خدا کی طرف سے (پیغمبر کے ذریعے) متعین ہوتا ہے۔ جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کی امامت سے متعلق آیت میں پڑھا ہے: "انی جاعلک للناس اماما" یعنی میں نے تجھے لوگوں کا امام قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ (عصمت کی حد تک) تقویٰ اور بلند علمی مقام (جو تمام احکامات اور تعلیمات الٰہی پر ایسے احاطہ کی صورت میں ہو جس میں غلطی و اشتباہ کی گنجائش نہ ہو) کی موجودگی کا علم صرف خدا اور رسول کے پاس ہی ہوسکتا ہے۔

بنابرایں ہمارے عقیدے کی رو سے معصوم اماموں کی امامت لوگوں کی رائے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

## ۵۰۔ اماموں کا تعین، رسولخدا کے ذریعے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد والے اماموں کو متعین فرمایا ہے۔ حدیث ثقلین (جو مشہور و معروف ہے) میں حضور نے اماموں کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مکہ و مدینہ کے درمیان "خم" نامی جگہ پر پیغمبر اکرمؐ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا۔ اس کے بعد فرمایا: میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہوجاؤں گا۔ "انی تارک فیکم الثقلین' اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی و النور ...... و اھل بیتی' اذکرکم اللہ فی اھل بیتی" یعنی میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں نور اور ہدایت ہے...... اور (دوسری چیز) میرے اہل بیتؑ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے سلسلے میں خدا کو فراموش نہ کرنا (آنحضرتؐ نے یہ جملہ تین بار دہرایا)۔ (۱)

صحیح ترمذی میں بھی اس بات کا ذکر ہوا ہے اور صریحاً مذکور ہے کہ اگر ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ (۲)

یہ حدیث سنن دارمی (۳) خصائص نسائی (۴)، مسند احمد (۵) اور دیگر مشہور و معروف اسلامی کتب میں مذکور ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں اس حدیث کا شمار ان متواتر احادیث میں ہوتا ہے جن کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ مختلف مواقع پر یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔



---

۱۔ صحیح مسلم' جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۳۔

۲۔ صحیح ترمذی' جلد ۵ صفحہ ٦٦٢۔

۳۔ سنن دارمی' جلد ۲ صفحہ ۴۳۲۔

۴۔ خصائص نسائی' صفحہ ۲۰۔

۵۔ مسند احمد' جلد ۵ صفحہ ۱۸۲ اور

واضح سی بات ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی ذریت کے سارے لوگ اس عظیم مرتبے کے حامل اور قرآن کے ہم پلہ نہیں ہوسکتے۔ لہذا یہ پیغمبر کی ذریت میں سے فقط معصوم اماموں کی طرف اشارہ ہے۔ (یاد رہے کہ صرف کمزور اور مشکوک احادیث میں اہل بیت کی جگہ لفظ سنتی مذکور ہے)۔

اس سلسلے میں ہم ایک اور معروف حدیث سے استدلال کریں گے (جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابو داؤد، مسند حنبل اور دیگر کتب میں مذکور ہے)۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "لایزال الدین قائما حتی تقوم الساعة او یکون علیکم اثنتی عشر خلیفة کلھم من قریش" یعنی دین اسلام قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا بارہ خلیفہ تم پر حکومت کریں یہ خلیفے سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ (۱)

ہمارا عقیدہ ہے کہ: ان روایات کی قابل قبول تفسیر صرف وہی ہوسکتی ہے جو بارہ اماموں کے متعلق شیعہ امامیہ نے کی ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا اس کے علاوہ کوئی معقول تفسیر ہوسکتی ہے؟



---

کتاب کنزالعمال، جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ حدیث ۹۳۵۔

۱۔ صحیح مسلم، جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۳ میں یہ عبارت "جابر بن سمرہ" نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے نقل کی ہے۔ یہی عبارت مختصر سے فرق کے ساتھ مذکورہ بالا کتب میں مذکور ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، جلد ۳ صفحہ ۱۰۱، صحیح ترمذی، جلد ۴ صفحہ ۵۰۱ اور صحیح ابی داود، جلد ۴ کتاب المہدی)۔

## ۵۱۔ پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے، حضرت علیؑ کا تعیین

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے متعدد جگہوں پر حضرت علیؑ کو بالخصوص اپنے جانشین کے طور پر (خدا کے حکم سے) معین فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت صحابہ کے ایک عظیم اجتماع میں غدیر خم (جحفہ کے نزدیک ایک جگہ) کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "ایھا الناس الست اولی بکم من انفسکم قالوا بلی، قال: فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی اے لوگو کیا میں تم پر تمہاری بہ نسبت زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس جس کا میں مولا ہوں اس کا مولا علیؑ ہے۔ (۱)

یہاں چونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ان عقائد کی مزید دلائل بیان کریں اور بحث و تمحیص کو طول دیں لہذا ہم یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے ایک عام سی خوشنودی یا محبت کے اظہار پر محمول کیا جاسکتا ہے جبکہ پیغمبر نے اتنے بڑے اہتمام اور تاکید کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔



---

۱۔ یہ حدیث متعدد اسناد کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے نقل ہوئی ہے۔ حدیث کے راویوں کی تعداد ۱۱۰ اصحاب اور ۸۴ تابعین سے زیادہ ہے۔ ۳۶۰ سے زیادہ مشہور اسلامی کتابوں میں یہ حدیث منقول ہے جس کی تفصیل اس مختصر سی کتاب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ (دیکھئے پیام قرآن، جلد ۹ صفحہ ۱۸۱ اور مابعد)

کیا یہ وہی چیز نہیں ہے جس کا ابن کثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں ذکر کیا ہے؟ کہ پیغمبر نے اپنی تبلیغ کے آغاز میں قرآنی آیت "و انذر عشیرتک الاقربین" کے نزول کے بعد اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کرنے کے بعد فرمایا:

"ایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی و وصیی و خلیفتی فیکم" یعنی تم میں سے کون اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ و جانشین ہو؟

حضرت علیؑ کے سوا کسی نے پیغمبر کی بات کا جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: "انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ" یعنی اے اللہ کے نبی میں اس کام میں آپ کا وزیر اور مددگار بنوں گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم" یعنی تحقیق یہ میرا بھائی میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔ (۱)

کیا یہ وہ مسئلہ نہیں ہے جس کا اعلان پیغمبر اسلامؐ اپنی عمر کے آخری حصے میں ایک بار پھر کرنا چاہتے تھے اور اس کی تاکید کرنا چاہتے تھے؟ صحیح بخاری کے بقول آنحضرتؐ نے حکم دیا: "ایتونی اکتب کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا" یعنی کوئی چیز (کاغذ و قلم) لے آؤ تاکہ تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اسی حدیث

---

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد ۲ صفحہ ۶۳ (مطبوعہ بیروت / دار صادر)، مسند احمد حنبل، جلد ۱ صفحہ ۱۱، شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید)، جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۰۔ دیگر مولفین نے بھی اپنی کتابوں میں یہی بات بیان کی ہے۔

میں مذکور ہے کہ بعض حضرات نے اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی مخالفت کی یہاں تک کہ بہت ہی توہین آمیز بات کی اور رکاوٹ بن گئے۔ (۱)

ہم ایک بار پھر اس بات کا تکرار کریں گے کہ یہاں ہمارا مقصد عقائد کو مختصر سے استدلال کے ساتھ بیان کرنا ہے اور زیادہ تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں، ورنہ گفتگو کا انداز کچھ اور ہوتا۔

## ۵۲۔ ہر امام کی تاکید، اپنے بعد والے امام کے بارے میں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: بارہ اماموں میں سے ہر ایک کی تائید اس سے پہلے والے امام کے ذریعے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام، ان کے بعد امام علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن علی الباقر علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام پھر ان کے بیٹے موسیٰ بن جعفر علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام، پھر ان کے بیٹے محمد بن علی التقی علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن محمد النقی علیہ السلام، ان کے بعد ان کے بیٹے حسن بن علی العسکری علیہ السلام اور سب سے آخری امام محمد بن الحسن المہدی علیہ السلام ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔



---

۱۔ بخاری نے جلد ۵ صفحہ ۱۱ باب "مرض النبی" میں یہ حدیث بیان کی ہے۔
اس سے زیادہ واضح صحیح مسلم، جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۹ میں مذکور ہے۔

البتہ حضرت مہدی علیہ السلام (جو دنیا کو عدل و انصاف سے پر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے پر ہو چکی ہوگی) کے وجود پر ایمان صرف ہمارے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض سنی علماء نے حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق روایات کے متواتر ہونے پر الگ کتابیں لکھی ہیں۔ "رابطہ العالم الاسلامی" کی طرف سے شائع ہونے والے رسالے میں چند سال قبل امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام کے ظہور کو حتمی قرار دیا گیا تھا اور ساتھ ہی حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق پیغمبر اکرمؐ کی مشہور و مستند روایات کے کافی سارے اسناد کا ذکر ہوا تھا۔ (۱) البتہ ان میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام آخری زمانے میں متولد ہوں گے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ بارہویں امام ہیں اور اب بھی زندہ ہیں اور جب خدا انہیں زمین سے ظلم و جور کا خاتمہ کرنے اور حکومت عدل الٰہی قائم کرنے کا حکم دے گا تو وہ خروج کریں گے۔



## ۵۳۔ حضرت علی (ع)، سب صحابہ سے افضل ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب صحابہ سے افضل ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے بعد اسلامی امت میں ان کا مقام سب سے بڑا ہے۔ اس کے باوجود ان کے بارے میں ہر قسم کا غلو حرام ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کیلئے مقام

---

۱۔ یہ خط ۲۳ شوال ۱۳۹۶ ہجری کو "رابطہ العالم الاسلامی" سے "مجمع الفقہ الاسلامی" کے ڈائریکٹر محمد المنتصر الکتانی کے دستخط کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

الوہیت اور ربوبیت یا اس طرح کی کسی بات کے قائل ہیں وہ کافر اور مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہیں۔ ہم ان کے عقائد سے بیزار ہیں۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کے ساتھ ان کا ملتا جلتا نام اس سلسلے میں غلط فہمیوں کا باعث بنتا ہے۔ حالانکہ علمائے شیعہ امامیہ نے ہمیشہ اپنی کتابوں میں اس گروہ کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

## ۵۴۔ صحابہ، عقل اور تاریخ کی عدالت میں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبرؐ کے اصحاب میں بڑے عظیم، جاں نثار اور عظمت والے لوگ تھے۔ قرآن و حدیث نے ان کی فضیلت میں بہت کچھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تمام اصحاب پیغمبر کو معصوم ماننے لگیں اور کسی استثناء کے بغیر ان کے اعمال کو درست قرار دیں۔ کیونکہ قرآن نے بہت سی آیات (سورہ توبہ، سورہ نور اور سورہ منافقین کی آیات) میں ایسے منافقین کا تذکرہ کیا ہے جو اصحاب پیغمبرؐ میں شامل تھے۔ ظاہری طور پر وہ ان کا حصہ تھے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان کی بہت زیادہ مذمت کی ہے۔ دوسری طرف سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے پیغمبر کے بعد مسلمانوں میں جنگ کی آگ بھڑکائی، انہوں نے وقت کے امام اور خلیفہ کی بیعت توڑ دی اور دسیوں ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ افراد ہر لحاظ سے پاک و منزہ تھے؟

بالفاظ دیگر نزاع اور جنگ (مثلاً جنگ جمل و صفین) کے دونوں فریقوں کو کس طرح صحیح اور درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ تضاد ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس مسئلے کی توجیہ کیلئے "اجتہاد" کے بہانے کو کافی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک

فریق حق پر تھا اور دوسرا خطاکار لیکن چونکہ اس نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا ہے لہذا خدا کے نزدیک اس کا عذر قابل قبول ہے بلکہ اس کو ثواب ملے گا۔ ہمارے لئے اس استدلال کو قبول کرنا مشکل ہے۔

اجتہاد کا بہانہ بنا کر پیغمبر کے جانشین کی بیعت کیونکر توڑی جاسکتی ہے؟ اور پھر جنگ کی آگ بھڑکا کر بے گناہ لوگوں کا خون کیسے بہایا جاسکتا ہے؟ اگر اجتہاد کا سہارا لے کر اس قدر بے تحاشا خونریزی کی توجیہ کی جاسکتی ہے تو پھر کون سا ایسا کام ہے جس کی توجیہ نہ ہوسکے؟

ہم واضح الفاظ میں کہیں گے کہ ہمارے عقیدے کی رو سے تمام انسانوں یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے اصحاب کی اچھائی برائی کا دارومدار ان کے اعمال پر ہے۔ قرآن کا یہ زریں اصول "ان اکرمکم عنداللہ اتقیکم" یعنی خدا کے نزدیک تم سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، (سورہ حجرات، آیت ۱۳) ان کو بھی شامل ہے۔



لہذا ہمیں ان کے اعمال سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا۔

یوں ہم ان سب کے بارے میں ایک منطقی موقف اختیار کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ آنحضرتؐ کے دور میں مخلص اصحاب کی صف میں شامل تھے اور پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد بھی وہ اسلام کی حفاظت میں کوشاں رہے اور قرآن کے ساتھ اپنے وعدے کو نبھاتے رہے، ہم ان کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ آنحضرتؐ کے دور میں منافقین کی صف میں شامل تھے اور انہوں نے ایسے کام کئے جن سے پیغمبرؐ کا دل دکھایا اور پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا اور ایسے کام کیے جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے نقصان دہ تھے تو ہم انہیں نہیں مانتے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "لاتجد قوما یؤمنون باللہ و الیوم الاخر یؤادون من حاد اللہ و رسولہ و لو

کانوا آبائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان" یعنی آپ خدا اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو خدا اور رسول کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ دوستی کرتے ہوئے نہیں پائیں گے، اگرچہ وہ ان کے باپ، اولاد، بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے صفحہ قلوب پر اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

(سورہ مجادلہ، آیت ۲۲)

جی ہاں! جو لوگ پیغمبر کی زندگی میں یا حضور کی رحلت کے بعد پیغمبرؐ کو تکلیف پہنچاتے رہے وہ ہمارے عقیدے کے مطابق احترام کے قابل نہیں ہیں۔

لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ پیغمبرؐ کے بعض اصحاب نے اسلام کی ترقی کیلئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ خدا نے بھی ان کی تعریف و تمجید کی ہے۔ اسی طرح جو لوگ ان کے بعد آئے یا دنیا کے خاتمے تک آتے رہیں گے اگر وہ حقیقی اصحاب کے راستے پر چلتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھائیں تو وہ بھی تعریف اور مدح کے لائق ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "السابقون الاولون من المھاجرین و الانصار و الذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" یعنی مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے اولین افراد نیز نیکیوں میں ان کی پیروی کرنے والوں سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ (سورہ توبہ، آیت ۱۰۰)

یہ ہے پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب کے متعلق ہمارے عقیدے کا خلاصہ۔

## ۵۵۔ اہل بیتؑ کے علوم پیغمبرؐ سے ماخوذ ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: چونکہ متواتر روایات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں اہل بیت اور قرآن کے متعلق حکم دیا ہے کہ ہم ان دونوں کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تاکہ

ہم ہدایت پائیں، نیز چونکہ ہم آئمہ اہلبیتؑ کو معصوم سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی ہر بات اور ان کا ہر عمل ہمارے لئے حجت اور دلیل ہے۔ اسی طرح ان کی تقریر (یعنی ان کے سامنے کوئی کام انجام پائے اور وہ اس سے منع نہ کریں) بھی حجت ہے۔ بنابرایں قرآن و سنت کے بعد ہمارا ایک فقہی ماخذ آئمہ اہلبیتؑ کا قول، فعل اور تقریر ہے۔

نیز چونکہ متعدد اور معتبر روایات کے مطابق آئمہ اہل بیتؑ نے فرمایا ہے کہ ان کے فرامین رسول اللہؐ کی احادیث ہیں جو وہ اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں، بنابریں واضح ہے کہ حقیقت میں ان کے فرامین پیغمبرؐ کی روایات ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ سے ثقہ اور بااعتماد شخص کی روایت تمام علمائے اسلام کے نزدیک قابل قبول ہے۔

امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام نے جابر سے فرمایا: "یا جابر انا لو کنا نحدثکم برایئنا و ھوانا لکنا من الھالکین، و لکنا نحدثکم باحادیث نکنزھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم" یعنی اے جابر! اگر ہم اپنی رائے اور خواہشات نفسانی کی بناء پر تمہارے لئے کوئی بات بیان کریں تو ہم تباہ ہونے والوں میں شامل ہوجائیں گے۔ لیکن ہم تمہارے لئے ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے خزانے کی صورت میں جمع کی ہیں۔

(جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱ صفحہ ۱۸ از مقدمات، حدیث ۱۱۶)

امام جعفر الصادقؑ سے مروی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ کسی نے امامؑ سے سوال کیا اور حضرتؑ نے جواب دیا۔ اس شخص نے امام کی رائے تبدیل کرنے کی غرض سے بحث شروع کر دی تو امام صادقؑ نے فرمایا: "ما اجبتک فیہ من شی فھو عن رسول اللہ" یعنی میں نے تجھے جو جواب دیا ہے وہ پیغمبر سے منقول ہے۔ (اور اس میں بحث کی گنجائش نہیں ہے)۔ (اصول کافی، جلد ۱ صفحہ ۵۸ حدیث ۱۲۱)

قابل غور اور اہم نکتہ یہ ہے کہ حدیث کے سلسلے میں ہمارے پاس کافی، تہذیب، استبصار، من لایحضرہ الفقیہ اور دوسری معتبر کتابیں موجود ہیں، لیکن ہماری نظر میں ان مآخذ کے معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں موجود ہر روایت ہماری نظر میں قابل قبول ہے، بلکہ روایات سے متعلق کتب کے ساتھ ہمارے پاس علم رجال کی کتب بھی موجود ہیں، جن میں ہر طبقے کے راویان احادیث پر بحث کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ روایت قابل قبول ہے جس کی سند میں مذکور تمام افراد ثقہ اور قابل اطمینان ہوں۔ لہذا ان مشہور اور معتبر کتب میں جو روایات اس شرط کی حامل نہ ہوں وہ ہماری نظر میں قابل قبول نہیں۔

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ کوئی روایت ایسی ہو جس کا سلسلہ سند بھی معتبر ہو لیکن ابتداء سے لے کر آج تک ہمارے بڑے بڑے علماء اور فقہاء نے اسے نظر انداز کیا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو اور انہیں اس میں کچھ دیگر نقائص نظر آئے ہوں۔ اس قسم کی روایت کو ہم "معرض عنہا" کہتے ہیں۔ یہ ہماری نظر میں معتبر نہیں۔



بنابرایں یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ ہمارا عقیدہ جاننے کیلئے فقط اور فقط ان کتب میں موجود کسی ایک روایت یا مختلف روایات کا سہارا لیتے ہیں، بغیر اس کے کہ روایت کی سند کے بارے میں کوئی تحقیق کریں، ان کا طریقہ کار غلط ہے۔

بعض معروف اسلامی فرقوں میں "صحاح" کے نام سے کتابیں موجود ہیں، جن میں موجود روایات کا صحیح ہونا ان کتابوں کے مصنفین کے نزدیک ثابت ہے۔ نیز دوسرے لوگ بھی ان روایات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک موجود معتبر کتابیں اس طرح نہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جن کے مصنفین معروف اور قابل اعتماد شخصیات ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں موجود روایات کی سند کا صحیح ہونا علم رجال کی کتب کی روشنی میں

راویوں کی تحقیق پر موقوف ہے۔

مذکورہ بالا نکتے کی طرف توجہ ہمارے عقائد کے متعلق پیدا ہونے والے بہت سے سوالوں کا جواب دے سکتی ہے۔ جس طرح اس سے بے توجہی ہمارے عقائد کی پہچان کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتی ہے۔

بہر حال قرآن مجید کی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث کے بعد ہماری نظر میں بارہ اماموںؑ کی احادیث معتبر ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام سے ان احادیث کا صدور معتبر طریقہ سے ثابت ہو۔

چھٹا باب

# مختلف مسائل

گزشتہ ابواب میں ذکر ہونے والے مباحث نے دین اسلام کی بنیادوں سے متعلق ہمارے نظریاتی و اعتقادی اصولوں کو واضح کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ ہمارے عقائد کی کچھ اور خاص باتیں ہیں جو اس باب میں بیان کی جاتی ہیں۔



## ۵۶۔ حسن و قبح کا مسئلہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: انسانی عقل بہت سی اشیاء کی خوبی و بدی اور حسن و قبح کا ادراک کرسکتی ہے۔ یہ خوب و بد کی پہچان کی اس طاقت کی بدولت ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے۔ بنابرایں آسمانی شریعتوں کے نازل ہونے سے پہلے بھی بعض امور عقل کی بدولت انسانوں کیلئے واضح تھے۔ مثلاً عدل اور نیکی کی خوبی، ظلم و ستم کی برائی نیز ہدایت، امانت، شجاعت اور سخاوت جیسی بہت سی اخلاقی صفات کی اچھائی، اسی طرح جھوٹ، خیانت، بخل اور اس طرح کی دوسری صفات کی برائی و قباحت، ان امور میں سے ہیں جنہیں عقل درک کرتی ہے۔ لیکن چونکہ عقل تمام اشیاء کی اچھائی و برائی کو سمجھنے

سے عاجز ہے اور انسان کی معلومات بہرحال محدود ہیں اس لئے ادیان الٰہی، آسمانی کتب اور انبیاء، خدا کی طرف سے اس امر کی تکمیل کیلئے بھیجے گئے، تاکہ وہ عقلی ادراکات کی بھی تائید کریں اور ان تاریک گوشوں کو بھی نمایاں کریں جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔

اگر حقائق کی پہچان کے سلسلے میں ہم عقل کی ذاتی صلاحیت کے سرے سے ہی منکر ہوجائیں تو پھر توحید، خدا شناسی، بعثت انبیاء اور آسمانی ادیان کی بات ہی ختم ہوجائے گی، کیونکہ وجود خدا کا اثبات اور دعوت انبیاء کی حقانیت صرف عقل کے ذریعے ہی قابل اثبات ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ شرعی تعلیمات اسی صورت میں قابل قبول ہیں جب یہ دو اصول (توحید و نبوت) پہلے عقلی دلیل کے ذریعے ثابت ہوچکے ہوں۔ صرف شرعی دلیل کے ذریعے ان دونوں موضوعات کا اثبات ناممکن ہے۔



## ۵۷۔ عدل الٰہی

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر ہم خدا کے عادل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کو محال سمجھتے ہیں کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم کرے یا بلاوجہ کسی کو سزا دے یا بلاوجہ کسی کو معاف کردے۔ یہ محال ہے کہ وہ اپنا وعدہ وفا نہ کرے اور محال ہے کہ برے اور خطا کار شخص کو اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا مقام عطا فرمائے اور اسے معجزات سے نوازے۔ نیز یہ بھی محال ہے کہ اس نے اپنے جن بندوں کو سعادت کا راستہ طے کرنے کیلئے پیدا کیا ہے، انہیں کسی راہنما اور رہبر کے بغیر سرگرداں چھوڑ دے، کیونکہ یہ سب کام برے اور قبیح ہیں اور خداوند متعال کیلئے برے اور قبیح کام کا امکان نہیں ہے۔

## ۵۸۔ انسان کی آزادی

مذکورہ وجوہات کی رو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ: خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ انسان اپنے ارادہ و اختیار کے ذریعے اپنے امور کو انجام دیتا ہے کیونکہ اگر اس کے برعکس ہو یعنی ہم انسانوں کے اعمال کے سلسلے میں جبر کے قائل ہوں تو بروں کو سزا دینا ظلم اور ناانصافی ہوگا اور نیک لوگوں کو جزا دینا بیہودہ اور بے دلیل کام ہوگا۔ اس طرح کا کام خدا کے حق میں محال ہے۔

خلاصہ یہ کہ خوبی و بدی کی پہچان اور بہت سے حقائق کی شناخت میں انسانی عقل کی ذاتی و فطری صلاحیت کو تسلیم کرنا دین و شریعت اور انبیاء کی نبوت نیز آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن جس طرح پہلے کہا گیا انسانی ادراکات اور علوم محدود ہیں۔ اور صرف انہی کے بل بوتے پر سعادت و کمال انسانی سے متعلق تمام حقائق کی پہچان ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انسان بعثت انبیاء اور آسمانی کتب کا محتاج ہے۔



## ۵۹۔ فقہ کا ایک مآخذ عقل ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: دین اسلام کا ایک بنیادی مآخذ مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں عقل ہے۔ یعنی یہ کہ عقل یقینی طور پر کسی چیز کو درک کرے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔ مثال کے طور پر اگر (بطور فرض) قرآن اور سنت میں ظلم و خیانت، جھوٹ، قتل، چوری اور لوگوں کے حقوق پامال کرنے کی حرمت پر کوئی دلیل ہی نہ ہوتی تو ہم دلیل عقل کے ذریعے ان چیزوں کو حرام سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اس عالم اور حکیم خدا نے ہم پر یہ چیزیں حرام کردی ہیں اور وہ ان کی انجام دہی پر راضی نہیں ہے۔ عقل کا یہ حکم ہمارے اوپر حجت الٰہی محسوب ہوتا ہے۔

قرآنی آیات ایسی عبارتوں سے بھری پڑی ہیں جو عقل اور عقلی دلائل کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ جادہ توحید پر گامزن ہونے کیلئے قرآن نے ارباب عقل و خرد کو زمین اور آسمان میں موجود خدا کی نشانیوں کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ "ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النہار لایات لاولی الالباب"۔

(سورہ آل عمران، آیت ۱۹۰)۔

دوسری طرف سے انسانی عقل و شعور میں اضافے کو خدا کی نشانیوں کے بیان کا ہدف قرار دیا ہے۔ "انظر کیف نصرف الایات لعلھم یفقھون". یعنی دیکھو کہ ہم مختلف تعبیروں سے کس طرح اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ لیں۔

(سورہ انعام، آیت ۶۵)۔

تیسرا نکتہ: ان دونوں باتوں کے علاوہ تمام انسانوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ نیکیوں اور برائیوں میں تمیز کریں۔ اور اس سلسلے میں قوت فکر سے کام لیں۔ ارشاد ہوتا ہے: "قل ھل یستوی الاعمی و البصیر ا فلا تتفکرون" یعنی کیا نابینا اور بینا (نادان اور دانا) برابر ہیں؟ کیا تم فکر نہیں کرتے؟ (سورہ انعام، آیت ۵۰)

چوتھا اور آخری نکتہ یہ کہ: جو لوگ اپنے کانوں، آنکھوں اور زبان سے کام نہیں لیتے اور اپنی عقل و خرد سے استفادہ نہیں کرتے انہیں زمین پر چلنے والوں میں سب سے بدترین حیوان قرار دیا گیا ہے۔ "ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لایعقلون". یعنی خدا کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں سب سے برے وہ بہرے اور گونگے افراد ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (سورہ انفال، آیت ۲۲)۔ اور بھی متعدد آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں۔

ان دلائل کی موجودگی میں اسلام کے اصول و فروع کے حوالے سے ہم عقل و خرد

اور تفکر کی قوت سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہیں؟

## ۶۰۔ عدل الٰہی پر ایک اور نظر

جیساکہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے ہم خدا کے عادل ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا اپنے کسی بندے پر کوئی ظلم نہیں کرتا کیونکہ ظلم ایک برا اور ناپسندیدہ کام ہے اور خدا کی ذات اس طرح کے کام سے پاک اور منزہ ہے۔ "و لا یظلم ربک احدا" یعنی تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (سورہ کہف، آیت ۴۹)

اگر دنیا اور آخرت میں بعض افراد کو سزا ملے گی تو اس کا اصل سبب وہ خود ہیں۔ "فما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون"۔ یعنی خدا نے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے والی گذشتہ اقوام) پر ظلم نہیں کیا (سورہ توبہ، آیت ۷۰) بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

نہ صرف انسان بلکہ کائنات کی کسی چیز پر بھی خدا ظلم نہیں کرتا۔ "و ما اللہ یرید ظلما للعالمین"۔ یعنی خدا اہل عالم پر ظلم کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۸) یاد رہے کہ یہ تمام آیات حکم عقل کی طرف راہنمائی کر رہی ہیں اور اسی کی تائید کر رہی ہیں۔

## تکلیف ما لایطاق کی نفی

مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا ہرگز تکلیف ما لا یطاق (انسان کی طاقت سے باہر کاموں) کا حکم نہیں دیتا: "لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا"۔

(سورہ بقرہ، آیت ۲۸۶)۔

## ۶۱۔ المناک حادثات کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں جو المناک واقعات رونما ہوتے ہیں (مثلاً زلزلے، مصیبتیں اور مشکلات) مذکورہ بالا وجوہات کی روشنی میں وہ کبھی تو خدا کی طرف سے سزا کے طور پر واقع ہوتے ہیں جیساکہ قوم لوط کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ "فلما جاء امرنا جعلنا عالیہا سافلہا و امطرنا علیہم حجارۃ من سجیل منضود" یعنی جب عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آگیا تو ہم نے ان کے شہروں کو ملیامیٹ کردیا اور ان پر پتھروں کی موسلا دھار بارش نازل کردی۔ (سورہ ہود، آیت ۸۲)

اور "سبا" کے سرکش اور ناسپاس لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ "فاعرضوا فارسلنا علیہم سیل العرم" یعنی انہوں نے خدا کی اطاعت سے منہ موڑ لیا اور ہم نے تباہ کن سیلاب ان کی طرف بھیج دیا۔

نیز ان میں سے بعض واقعات انسانوں کو بیدار کرنے کیلئے ہوتے ہیں تاکہ وہ حق کے راستے کی طرف لوٹ آئیں۔ "ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون"۔ یعنی خشکی اور سمندروں میں لوگوں کے کاموں کی وجہ سے خرابی آشکار ہوگئی۔ خدا چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ شاید وہ لوٹ آئیں۔ (سورہ روم، آیت ۴۱) لہذا اس طرح کی مصیبتیں حقیقت میں خدا کے لطف و کرم کا نتیجہ ہیں۔

بعض مصیبتیں ایسی ہیں جو انسان خود اپنے لئے ڈھونڈ لاتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ "ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

(سورہ رعد، آیت ۱۱)

"ما اصابک من حسنة فمن الله و ما اصابک من سیئة فمن نفسک". یعنی جو نیکی تجھے نصیب ہو وہ خدا کی طرف سے ہے (اور اس کی مدد سے ہے) اور جو برائی تجھے لاحق ہو وہ خود تیری طرف سے ہے۔ (سورہ نساء، آیت ۷۹)

## ۶۲۔ کائنات کا نظام، سب سے بہترین نظام ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: یہ کائنات عالی ترین نظام کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ یعنی اس کائنات کا موجودہ نظام ممکنہ نظاموں میں سب سے بہتر نظام ہے۔ ہر چیز حساب کتاب کے مطابق ہے۔ اس میں حق، عدل، انصاف اور نیکی کی منافی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ اگر انسانی معاشرے میں برائیاں نظر آرہی ہیں تو یہ خود ان کی طرف سے ہیں۔

ہم یہ بات دہراتے ہیں کہ ہمارے عقیدے کی رو سے کائنات کے بارے میں اسلامی نظریے کی ایک اصلی بنیاد عدل الٰہی ہے۔ اس کے بغیر توحید، نبوت اور معاد کا عقیدہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ غور کیجیے۔

ایک حدیث میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے پہلے فرمایا: "ان اساس الدین التوحید و العدل" یعنی دین کی بنیاد توحید اور عدل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: "اما التوحید فان لا تجوز علی ربک ما جاز علیک و اما العدل فان لا تنسب الی خالقک ما لامک علیه". توحید یہ ہے کہ جو باتیں تیرے لئے روا ہیں انہیں تو خدا کیلئے روا نہ سمجھو (اسے ممکنات کی تمام صفات سے پاک و منزہ سمجھو)۔ اور عدل یہ ہے کہ تم خدا کی طرف کسی ایسے کام کی نسبت نہ دو جسے اگر تم انجام دو تو وہ اس پر تمہاری مذمت کرے۔ غور کیجیے۔ (بحار الانوار، جلد ۵ صفحہ ۱۷ حدیث ۲۳)

## ۶۳۔ فقہ کے چار مآخذ

جیساکہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہمارے فقہی منابع (مآخذ) چار ہیں۔

۱۔ "کتاب اللہ" یعنی قرآن مجید جو اسلامی معارف اور احکام کی بنیاد ہے۔

۲۔ پیغمبر اور آئمہ معصومین علیہم السلام (اہل بیت) کی سنت۔

۳۔ علماء اور فقہاء کا اجماع و اتفاق جو معصوم کی رائے کا مظہر ہو۔

۴۔ عقل، عقل یا دلیل عقلی سے مراد یقینی اور قطعی دلیل عقلی ہے۔ جو دلیل عقلی، ظنی ہو (مثلاً قیاس، استحسان وغیرہ) وہ ہمارے نزدیک کسی بھی فقہی مسئلے میں قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا اگر فقیہ اپنے گمان کے مطابق ایک چیز میں مصلحت دیکھے لیکن اس کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی مخصوص حکم نہ ہو تو وہ اپنے گمان کو حکم خدا کے طور پر پیش نہیں کرسکتا۔ اسی طرح شرعی احکام اخذ کرنے کیلئے ظنی قیاسات اور اس طرح کی چیزوں کا سہارا لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لیکن جن مقامات پر انسان کو یقین حاصل ہوجائے (جیسے ظلم، جھوٹ، چوری اور خیانت کی برائی کا یقین) تو ان مقامات پر عقل کا حکم معتبر ہے۔ عقل کا یہ قطعی حکم "کل ما حکم بہ العقل حکم بہ الشرع" (عقل جس چیز کا حکم دے شرع کا حکم بھی وہی ہوگا) کے قاعدے کے تحت حکم شرعی محسوب ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عبادتی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی امور میں مکلف لوگوں کیلئے ضروری مسائل کے متعلق پیغمبر اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث ہمارے ہاں موجود ہیں اور ظن و گمان پر مشتمل دلیلوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مسائل مستحدثہ (یعنی وہ مسائل جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو پیش آتے ہیں) کی پہچان کے سلسلے میں بھی کتاب خدا نیز رسول اور آئمہ کی

سنت میں اصول و ضوابط بیان کر دیے گئے ہیں، جن کے بعد ہمیں اس طرح کے ظنی دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی ان قواعد و ضوابط کی طرف رجوع کرنے سے مسائل مستحدثہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے۔ (اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش اس مختصر سی کتاب میں نہیں ہے)۔ (۱)

## ۶۴۔ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ: شریعت کے تمام مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمام صاحب نظر فقہاء مذکورہ بالا چار فقہی مآخذ سے احکام خداوندی کا استنباط کرسکتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں جو استنباط کی قدرت نہیں رکھتے، اگرچہ ان کی آراء گزشتہ فقہاء کی آراء سے مکمل مطابقت نہ رکھتی ہوں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: جو لوگ فقہ میں صاحب نظر نہیں ان کو ہمیشہ ایسے زندہ فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو زمانے کے تقاضوں اور مسائل سے آگاہ ہوں۔ یعنی ان کی تقلید کریں۔ فقہ سے نابلد لوگوں کا فقہ کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا ہمارے نزدیک ایک بدیہی ضرورت ہے۔ ان فقہاء کو مرجع تقلید کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردہ فقیہ کی تقلید ابتدائی طور پر جائز نہیں سمجھتے۔ لوگوں کو زندہ فقیہ کی تقلید کرنی چاہئے تاکہ فقہ ہمیشہ ترقی اور تکامل کی طرف رواں دواں رہے۔



---

۱۔ کتاب "المسائل المستحدثہ" میں ہم نے یہ بات تفصیل سے بیان کی ہے۔

## ۶۵۔ قانون سازی کی ضرورت نہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ: اسلام میں قانونی خلا موجود نہیں ہے۔ یعنی اسلام نے قیامت تک انسان کیلئے ضروری احکام بیان کردیے ہیں، البتہ گاہے خاص صورت میں اور کبھی ایک عام اور کلی حکم کے ضمن میں۔ اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فقہاء کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ ہم ان کی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ وہ مندرجہ بالا چار مآخذ سے احکام اخذ کریں اور سب کے سامنے رکھیں۔ کیا خود قرآن نے سورہ مائدہ (جو پیغمبر اسلام پر نازل ہونے والی آخری سورت یا آخری سورتوں میں سے ایک ہے) میں یہ نہیں فرمایا:

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کردی اور اسلام کو تمہارے دین کے طور پر قبول کر لیا! (سورہ مائدہ، آیت ۳) اگر اسلام تمام زمانوں اور ادوار کیلئے مکمل فقہی احکام کا حامل نہ ہو تو وہ کامل دین کیسے ہوسکتا ہے؟

کیا ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی یہ حدیث نہیں دیکھتے: "یا ایھا الناس واللہ ما من شئی یقربکم من الجنۃ و یباعدکم عن النار الا و قد امرتکم بہ و ما من شئی یقربکم من النار و یباعدکم عن الجنۃ الا و قد نھیتکم عنہ"۔ یعنی اے لوگو! ہر وہ چیز جو تم کو بہشت سے نزدیک کرتی ہے اور دوزخ کی آگ سے دور کرتی ہے میں نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے اور ہر وہ چیز جو تمہیں جہنم کی آگ سے نزدیک کرتی ہے اور جنت سے دور کرتی ہے میں نے تمہیں اس سے روکا ہے؟

(اصول کافی، جلد ۲ صفحہ ۷۴ اور بحار الانوار، جلد ۶۷ صفحہ ۹۶)

حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک اور مشہور حدیث ہے: "ما ترک علی شیئا الا کتبہ حتی ارش الخدش" یعنی حضرت علیؑ نے اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں چھوڑا جسے آپؑ

نے (حضور کے حکم سے اور آپ کے لکھوانے پر) لکھ نہ لیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سی خراش (کہ جو انسانی بدن پر آتی ہے) کی دیت بھی۔ (۱)

بنابریں ظن و گمان پر مبنی دلائل اور قیاس و استحسان کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

## ۲۶۔ تقیہ اور اس کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: جب بھی انسان متعصب، ہٹ دھرم اور غیر معقول افراد کے درمیان اس طرح پھنس جائے کہ ان کے درمیان اپنے عقیدے کا اظہار اس کے لئے جانی یا مالی خطرے کا باعث ہو اور عقیدے کے اظہار کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ ہو تو وہاں اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے عقیدے کا اظہار نہ کرے اور اپنی جان نہ گنوائے۔ اس عمل کا نام "تقیہ" ہے۔ ہم نے یہ بات قرآن مجید کی دو آیتوں اور عقلی دلیل سے اخذ کی ہے۔

قرآن "مومن آل فرعون" کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ "و قال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ ا تقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ و قد جاءکم بالبینات من ربکم" یعنی آل فرعون میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا (موسیٰ کا دفاع کرتے ہوئے) کہا: کیا تم اس مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر آیا ہے۔

(سورہ مومن، آیت ۲۸)

---

۱۔ جامع الاحادیث، جلد اول، صفحہ ۱۸ حدیث ۱۲۷۔

(اسی کتاب میں اسی سلسلے کی اور بھی روایات مذکور ہیں)۔

یکتم ایمانہ کا جملہ صریح الفاظ میں تقیہ کا مسئلہ بیان کر رہا ہے۔ کیا یہ درست تھا کہ مومن آل فرعون اپنا ایمان ظاہر کرتے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے جبکہ کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا؟

صدر اسلام کے بعض مجاہد اور مبارز مومنین جو متعصب مشرکین کے چنگل میں پھنس چکے تھے کو تقیہ کا حکم دیتے ہوئے قرآن یوں فرماتا ہے۔ "لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شی الا ان تتقوا منہم تقاۃ"۔ یعنی با ایمان لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی اور دوست نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ (تم خطرے کے وقت) ان سے تقیہ کرو۔ (سورہ آل عمران، آیت ۲۸)

بنابریں تقیہ یعنی عقیدے کو چھپانا وہاں جائز ہے جہاں انسان کی جان، مال اور عزت کو متعصب اور ہٹ دھرم دشمنوں سے خطرہ ہو اور وہاں عقیدے کے اظہار کا فائدہ بھی کچھ نہ ہو۔ ایسے موقعے پر بلاوجہ انسان کو خطرے میں ڈالنا اور افرادی قوت کو ضائع کرنا صحیح اور معقول نہیں ہے۔ بلکہ اسے محفوظ رکھنا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ اسی لئے حضرت امام جعفر صادقؑ کی مشہور حدیث ہے۔ "التقیۃ ترس المومن" یعنی تقیہ مومن کی ڈھال ہے۔ (۱)

یہاں ترس (ڈھال) کا استعمال اس لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ تقیہ دشمن کے مقابلے میں دفاع کا ایک ذریعہ ہے۔

---

۱۔ وسائل، جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۱ حدیث ۶ باب ۲۴۔ بعض احادیث میں "ترس اللہ فی الارض" یعنی زمین میں خدا کی ڈھال کے الفاظ مذکور ہیں۔

مشرکین کے مقابلے میں عمار یاسر کے تقیہ کرنے اور پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے اس پر ان کی تائید فرمانے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ (۱)

جنگ کے میدانوں میں دشمن سے اسلحہ اور سپاہیوں کو چھپانا اور جنگی رازوں کو مخفی رکھنا وغیرہ سب کے سب انسانی زندگی میں ایک قسم کا تقیہ ہیں۔ بہرحال جہاں حقیقت کا اظہار کرنا خطرے یا نقصان کا باعث ہو اور اظہار کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو وہاں تقیہ کرنا (یعنی چھپانا) ایک عقلی اور شرعی حکم ہے جس پر نہ فقط شیعہ بلکہ دنیا کے تمام مسلمان، بلکہ دنیا کے تمام عقلاء ضرورت کے وقت عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود تعجب خیزبات یہ ہے کہ بعض لوگ تقیہ کو شیعوں اور مکتب اہل بیتؑ کے ساتھ مختص سمجھتے ہیں اور اسے ان کے خلاف ایک اہم اعتراض کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ تقیہ کا سرچشمہ قرآن، سنت، نبی کے صحابہ کی سیرت اور دنیا کے تمام عقلاء کا طرز عمل ہے۔



## ۶۷۔ تقیہ کہاں حرام ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ: مذکورہ بدگمانیوں کی وجہ شیعہ عقائد سے ناآگاہی یا شیعہ دشمن عناصر سے شیعہ عقاید اخذ کرنے کا عمل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت سے

---

۱۔ بہت سے مفسرین، مورخین اور ارباب حدیث نے اپنی مشہور کتابوں میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ واحدی نے اسباب النزول میں اور طبری، قرطبی، زمخشری، فخر رازی، بیضاوی اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں (سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ کے ذیل میں) اس کا تذکرہ کیا ہے۔

بات مکمل طور پر صاف ہوگئی ہوگی۔

البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض جگہوں پر تقیہ حرام ہے۔ یہ وہاں ہے جہاں تقیہ کرنے سے دین، اسلام اور قرآن کی بنیاد یا اسلامی نظاموں کو خطرہ لاحق ہوجائے۔ ایسی جگہوں پر عقیدے کا اظہار ضروری ہے، اگرچہ انسان اس اظہار عقیدے کی وجہ سے جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ عاشورا کے دن کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے اسی نظریے پر عمل کیا کیونکہ بنی امیہ کے حکمرانوں نے اسلام کی اساس کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے قیام نے ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کر دیا اور اسلام کو خطرے سے بچا لیا۔

## ۶۸۔ اسلامی عبادات



قرآن و سنت نے جن عبادتوں پر زور دیا ہے ہم ان پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے پابند ہیں، مثلاً نماز پنجگانہ جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطے کی اہم کڑی ہیں۔ اسی طرح رمضان المبارک کے روزے جو ایمان کی تقویت، تزکیہ نفس اور تقویٰ کا بہترین ذریعہ ہیں اور نفسانی خواہشات کے ساتھ مقابلے کا ہتھیار ہیں۔

ہم صاحب استطاعت افراد پر زندگی میں ایک بار حج خانہ خدا کو واجب سمجھتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرنے اور باہمی محبت کی بندھنوں کو مضبوط کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے نیز مسلمانوں کی عزت کا باعث ہے۔ ہم زکات المال، خمس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر نیز اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف جہاد کو بھی مسلمہ واجبات میں شمار کرتے ہیں۔

ہمارے اور بعض دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان ان مسائل کی بعض جزئیات

میں اختلاف ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اہل سنت کے چار فرقے بھی عبادات اور دوسرے احکام میں باہمی اختلاف رکھتے ہیں۔

۷۹۔ دو نمازوں کو ساتھ پڑھنا

ہمارا عقیدہ ہے کہ: نماز ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے (اگرچہ انہیں الگ الگ وقت میں پڑھنا افضل اور بہتر ہے)۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ: نبی کی طرف سے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت ان لوگوں کی حالت کے پیش نظر ہے جو مشکلات سے روبرو ہیں۔

صحیح ترمذی میں ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ: "جمع رسول الله (ص) بین الظهر و العصر و بین المغرب و العشاء بالمدینه من غیر خوف ولا مطر، قال فقیل لابن عباس ما اراد بذلک؟ قال اراد ان لا یحرج امته" یعنی مدینہ میں پیغمبر اکرمؐ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں نیز مغرب، عشاء کی نمازیں بھی اکٹھی پڑھیں حالانکہ نہ کوئی خطرہ تھا اور نہ بارش تھی۔ ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ اس کام سے آنحضرت کا کیا مقصد تھا؟ تو اس نے جواب دیا تاکہ اپنی امت کو مشکل میں نہ ڈالیں (یعنی جس مقام پر دونوں نمازوں کو الگ الگ پڑھنا زحمت کا باعث ہو وہاں اس اجازت سے فائدہ اٹھایا جائے)۔ (۱)

خاص کر موجودہ دور میں جبکہ معاشرتی زندگی خاص کر کارخانوں اور مصروف صنعتی مراکز میں بڑی پیچیدہ شکل اختیار کر چکی ہے اور پانچ الگ الگ اوقات میں نماز کی پابندی

---

۱۔ سنن ترمذی، جلد ۱ صفحہ ۳۵۴ باب ۱۳۸ اور سنن بیہقی، جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۔

کی شرط کے باعث بعض لوگوں نے نماز کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ پیغمبرؐ نے یہ جو اجازت عطا کی ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے نماز کو زیادہ پابندی سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

## ۷۰۔ خاک پر سجدہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: مٹی یا زمین کے دوسرے اجزاء پر سجدہ کرنا چاہئے یا ان چیزوں پر جو زمین سے اگتی ہوں جیسے درختوں کے پتے اور لکڑی نیز دیگر پودوں پر سوائے ان چیزوں کے جو کھائی جاتی ہیں یا پہننے کے کام آتی ہیں۔

لہذا قالین وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم مٹی پر سجدہ کرنے کو سب چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لئے آسانی کی وجہ سے بہت سے شیعہ سانچے میں ڈھلے ہوئے پاک مٹی کا ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھتے ہیں جسے سجدہ گاہ کہتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ پاک بھی ہے اور مٹی بھی۔



اس سلسلے میں ہماری دلیل نبی اکرم (ص) کی یہ مشہور حدیث ہے۔ "جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً". ہم یہاں لفظ مسجد کو "سجدہ کی جگہ" کے معنی میں لیتے ہیں۔ یہ حدیث اکثر کتب صحاح اور دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ (۱)

---

۱۔ بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاری سے باب التیمم (جلد ۱ صفحہ ۹۱) میں، نسائی نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ سے باب التیمم بالصعید میں اسے ذکر کیا ہے۔ مسند احمد میں یہ حدیث ابن عباس سے منقول ہے۔ (دیکھئے جلد ۱ صفحہ ۳۰۱) شیعہ کتب میں بھی پیغمبر اکرم (ص) سے یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نماز کی جگہ ہے۔ اور یہ ان لوگوں کے عمل کی نفی کرتی ہے جو صرف ایک مخصوص مقام پر نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن اس بات کے پیش نظر کہ یہاں طہور یعنی "تیمم کی مٹی" کی بات آئی ہے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں اس (مسجد) سے مراد سجدہ کی جگہ ہے، یعنی زمین کی مٹی طہور بھی ہے اور سجدہ کرنے کی جگہ بھی۔

اس کے علاوہ آئمہ اہل بیتؑ سے بہت سی روایات منقول ہیں جن میں مٹی اور پتھر وغیرہ کو سجدہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

## ۱۷۔ انبیاء اور آئمہؑ کے مزاروں کی زیارت

ہمارا عقیدہ ہے کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم، آئمہ اہلبیت علیہم السلام، عظیم علماء، دانشمندوں اور راہ حق کے شہیدوں کے مزارات کی زیارت سنت موکدہ ہے۔

اہل سنت کی کتابوں میں نبی اکرمؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کرنے کے بارے میں بے شمار روایات موجود ہیں۔ شیعہ کتابوں میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ اگر ان روایتوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو ایک الگ کتاب بن سکتی ہے۔ (۱)

---

۱۔ ان روایات سے آگاہی حاصل کرنے اسی طرح زیارت کے سلسلے میں بزرگوں کے کلمات اور حالات دیکھنے کیلئے الغدیر، جلد ۵، صفحہ ۹۳ تا ۲۰۷ کی طرف رجوع کریں۔

ہر دور میں تمام بڑے علماء اور لوگوں کے تمام طبقوں نے اس کو اہمیت دی ہے۔ کتابیں ان لوگوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں۔ جو رسول اکرمؐ یا دوسرے بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کیلئے جاتے تھے۔ (۱) بہرحال یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ زیارت اور عبادت کے درمیان فرق کو نہیں بھولنا چاہئے۔ عبادت و پرستش خدا کیلئے مخصوص ہے جبکہ زیارت کا مقصد بزرگان دین کا احترام، ان کی یاد کو زندہ رکھنا اور خدا کے حضور ان سے شفاعت طلب کرنا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق خود آنحضرتؐ اہل قبور کی زیارت کیلئے جنت البقیع جاتے اور ان کیلئے رحمت اور مغفرت کی دعا فرماتے تھے۔ (۲)



بنابریں اسلامی فقہ کے نقطہ نظر سے اس کام کے جواز میں کسی شخص کو شک نہیں کرنا چاہئے۔

## ۴۷۔ مراسم عزاداری کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: شہدائے اسلام بالخصوص شہیدان کربلا کی عزاداری اور ان کا سوگ منانے کا مقصد ان کی یاد کو زندہ رکھنا اور اسلام کی راہ میں ان کی قربانیوں کا پرچار

---

۱۔ ان روایات سے آگاہی حاصل کرنے نیز زیارت کے بارے میں بزرگوں کے اقوال اور حالات کے مطالعے کیلئے سابقہ مآخذ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ یہ روایات صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی، مسند احمد، صحیح ترمذی اور سنن بیہقی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ہے۔ اسی لئے ہم مختلف دنوں بالخصوص عاشور کے ایام (محرم کے پہلے دس دن) میں عزاداری مناتے ہیں جو رسول کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کے لخت جگر، بہشت کے جوانوں کے سردار (۱) امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ایام ہیں۔ ہم ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں، ان کے اہداف پر بحث کرتے ہیں اور ان کی پاک روحوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: بنی امیہ نے ایک بڑی خطرناک حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ نبی اکرمؐ کی بہت سی سنتوں کو انہوں نے تبدیل کردیا تھا اور وہ اسلامی اقدار کے خاتمے پر کمر بستہ ہوگئے تھے۔

یزید ایک فاجر، خودسر اور اسلام سے بیگانہ شخص تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اسلامی خلافت پر قابض تھا۔ امام حسینؑ نے سن ۶۱ ہجری میں اس کے خلاف قیام کیا۔ اگرچہ وہ اور ان کے تمام ساتھی عراق میں کربلا نامی سرزمین پر شہید کر دیئے گئے اور ان کی خواتین قیدی بنا لی گئیں لیکن ان کے خون نے اس دور کے تمام مسلمانوں میں ایک حیرت انگیز جذبہ اور ولولہ پیدا کردیا۔ بنی امیہ کے خلاف یکے بعد دیگرے بغاوتیں ہونے



---

۱۔ "الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنة" (حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)۔ یہ حدیث صحیح ترمذی میں ابو سعید خدری اور حذیفہ (جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ و ۳۰۷) سے منقول ہے۔ نیز صحیح ابن ماجہ باب فضائل اصحاب رسول اللہ، مستدرک الصحیحین، حلیة الاولیاء، تاریخ بغداد، اصابة (ابن حجر)، کنز العمال، ذخائر العقبی اور دوسری بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔

لگیں۔ ان بغاوتوں نے بنی امیہ کے ظلم و ستم کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ آخر کار ان کا ناپاک وجود ختم ہوگیا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ واقعہ عاشورا کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے خلاف جتنی بغاوتیں ہوئیں سب کا عنوان "الرضا لال محمد اور یا لثارات الحسین" کے نعرے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نعرے تو بنی عباس کے ابتدائی دور حکومت میں بھی بلند ہوتے رہے۔ (۱)

امام حسین علیہ السلام کا خونچکاں قیام آج ہم شیعوں کے لئے ہر قسم کی استبدادیت یا سینہ زوری اور ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نمونہ عمل اور لائحہ عمل کی

---

۱۔ ابو مسلم خراسانی جس نے عباسی حکومت کا خاتمہ کیا' نے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے الرضا لال محمد کا نعرہ لگایا۔

(کامل ابن اثیر' جلد ۵ صحفہ ۳۶۷)۔

توابین کا قیام بھی یا "لثارات الحسین" کے نعرے سے شروع ہوا۔

(الکامل' جلد ۴ صفحہ ۱۷۵)۔

مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کا قیام بھی اسی نعرے کے ساتھ ہوا تھا۔

(الکامل ابن اثیر' جلد ۴ صفحہ ۲۸۸)۔

بنی عباس کے خلاف جن لوگوں نے قیام کیا ان میں سے ایک حسین بن علی شہید فخ ہیں۔ انہوں نے اپنا مقصد ایک جملے میں اس طرح بیان کیا۔ "و ادعوکم الی الرضا من آل محمد" یعنی میں تمہیں آل محمد کی خوشنودی حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

(مقاتل الطالبین' صفحہ ۲۹۹ اور تاریخ طبری' جلد ۸ صفحہ ۱۹۳)۔

صورت اختیار کر گیا ہے۔ "ھیھات منا الذلہ" (ہم ہرگز ذلت قبول نہیں کرتے) اور "ان الحیاۃ عقیدۃ و جہاد" (زندگی ایمان اور جہاد سے عبارت ہے) کے نعروں نے، جو کربلا کی خونین تحریک کا عطیہ ہیں، ہماری ہمیشہ مدد کی ہے تاکہ ہم ظالم اور جابر حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سید الشہداء امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی پیروی کرتے ہوئے ظالم کے شر کو دفع کریں۔ (انقلاب اسلامی جمہوریہ ایران میں یہ نعرے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں)۔

مختصر یہ کہ شہدائے اسلام خاص کر شہدائے کربلا کی یاد تازہ کرنے سے ہمارے اندر عقیدے اور ایمان کی راہ میں شہادت، ایثار، شجاعت اور فداکاری کا جذبہ ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ یہ ہمیں عزت سے زندہ رہنے اور ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کا درس دیتا ہے۔ یہ ہے ان واقعات کو زندہ رکھنے اور ہر سال عزاداری کا سلسلہ برقرار رکھنے کا فلسفہ۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ ہم عزاداری کے مراسم میں کیا کرتے ہیں اور وہ اسے ایک ایسا تاریخی واقعہ سمجھیں جس پر عرصے سے فراموشی کا گرد و غبار پڑا ہوا ہے۔ لیکن ہم خود جانتے ہیں کہ ان واقعات کی یاد زندہ کرنے سے ہمارے کل آج اور آئندہ کی تاریخ پر کیا اثرات مترتب ہوئے ہیں اور ہوں گے۔

غزوہ احد کے بعد سید الشہداء حضرت حمزہ پر پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے سوگ منانے کا واقعہ تاریخ کی سب مشہور کتابوں میں درج ہے۔ رسول اکرمؐ انصار کے ایک گھر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ آپؐ نے گریہ اور نوحہ کی آواز سنی۔ آپؐ کی آنکھیں بھی برس پڑیں اور چہرہ اقدس سے آنسو بہنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: لیکن حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔ سعد بن معاذ نے جب یہ بات سنی تو وہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے بعض لوگوں کے پاس گئے اور ان کی عورتوں کو حکم دیا: آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہ کے

گھر جاؤ اور سید الشہدا حمزہ کا سوگ مناؤ۔ (۱)

واضح ہے کہ یہ کام حضرت حمزہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ باقی تمام شہداء کے معاملے میں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے ان کی یاد زندہ رکھیں اور اس طریقے سے مسلمانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑاتے رہیں۔ اتفاقاً آج جبکہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں عاشورہ کا دن ہے (۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ ہجری)۔

آج پورے عالم تشیع میں سچ مچ ایک عظیم ولولہ موجزن ہے۔ جوان، نوجوان اور بوڑھے سب ہی سیاہ کپڑے پہنے ہوئے امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کا باہم سوگ منا رہے ہیں۔ ان سب کے دلوں اور ذہنوں میں ایسا انقلاب برپا ہے کہ اگر انہیں اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کیلئے کہا جائے تو سب اسلحہ اٹھا کر میدان میں اتر جائیں گے، اور کسی قسم کی قربانی و جاں نثاری سے دریغ نہیں کریں گے۔ گویا سب کی رگوں میں شہادت کا خون دوڑ رہا ہے اور اس وقت اور اس گھڑی حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو اسلام کی قربان گاہ کربلا میں اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

ان پر شکوہ مراسم میں جو ولولہ انگیز اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ استعمار اور استکبار کے خلاف دندان شکن نعروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ظلم کے سامنے نہ جھکنے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا اعلان کر رہے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ: یہ ایک عظیم معنوی سرمایہ ہے جس کی حفاظت کرنی چاہئے اور اسلام، ایمان اور تقویٰ کی بقا کیلئے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

---

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد ۲، صفحہ ۱۶۳ و سیرہ ابن ہشام، جلد ۳، صفحہ ۱۰۴۔

## ۴۷۔ متعہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ: وقتی شادی ایک شرعی کام ہے۔ جسے اسلامی فقہ میں "متعہ" کہتے ہیں۔ شادی دو قسم کی ہے ایک تو دائمی شادی جس میں وقت معین نہیں ہوتا اور دوسری متعہ جس کی مدت طرفین کے توافق سے معین ہوتی ہے۔

یہ شادی دائمی شادی کے ساتھ بہت سے مسائل میں مشابہت رکھتی ہے۔ مثلاً حق مہر، عورت کا ہر مانع سے خالی ہونا وغیرہ، نیز اس شادی سے پیدا ہونے والے بچے انہی احکام کے حامل ہیں جو دائمی شادی سے پیدا ہونے والے بچے رکھتے ہیں۔ جدائی کے بعد عدت پوری کرنے کا مسئلہ مشترک ہے۔ یہ سب چیزیں ہمارے نزدیک مسلم ہیں۔ دوسرے لفظوں میں متعہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ایک قسم کی شادی ہے۔

البتہ دائمی نکاح اور متعہ میں کچھ فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ متعہ میں عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار نہیں ہوں گے۔ (لیکن ان کے بچے والدین اور ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے)۔



بہرحال ہم نے یہ حکم قرآن مجید سے لیا ہے جو فرماتا ہے "فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضہ" یعنی جن عورتوں سے تم متعہ کرتے ہو ان کا حق مہر تمہیں ادا کرنا ہوگا (سورہ نساء، آیت ۲۴)۔ بہت سے مشہور محدثین اور عظیم مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت متعہ کے متعلق ہے۔

تفسیر طبری میں اس آیت کے ذیل میں متعہ سے متعلق بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے بہت سے صحابیوں نے اس پر گواہی دی ہے۔ (تفسیر طبری، جلد ۵، صفحہ ۹)۔

تفسیر الدر المنثور اور سنن بیہقی میں بھی اس سلسلے میں بہت سی روایات نقل کی

گئی ہیں۔ (۱)

صحیح بخاری، مسند احمد، صحیح مسلم اور بہت سی دوسری کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جو نبی اکرمؐ کے دور میں متعہ کی موجودگی پر دلیل ہیں۔ اگرچہ اس کی مخالف روایات بھی موجود ہیں۔ (۲)

بعض سنی فقہاء قائل ہیں کہ نبی اکرمؐ کے دور میں نکاح متعہ رائج تھا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ جبکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرتؐ کی زندگی کے آخر تک باقی تھا اور عمر نے یہ حکم منسوخ کیا۔ حضرت عمر کا قول: "متعتان کانتا علی عهد رسول الله و انا محرمهما و معاقب علیهما: متعة النساء و متعة الحج" یعنی پیغمبر اکرمؐ کے دور میں دو متعے جائز تھے اور میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور ان پر سزا دوں گا۔ ان میں سے ایک عورتوں سے متعہ اور دوسرا متعۃ الحج (حج کی ایک خاص قسم) ہے۔ (۳)



---

۱۔ الدر المنثور، جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ اور سنن بیهقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶۔

۲۔ مسند احمد، جلد ۴ صفحہ ۴۳۶، صحیح بخاری، جلد ۷ صفحہ ۱۶ اور صحیح مسلم، جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۲ (باب نکاح المتعه)۔

۳۔ یہ حدیث اسی عبارت یا اسی سے ملتی جلتی عبارت کے ساتھ سنن بیهقی، ج ۷ ص ۲۰۶ اور دوسری بہت سی کتابوں میں آئی ہے۔ "الغدیر" کے مصنف نے کتب صحاح اور مسند سے ۲۵ احادیث نقل کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اسلامی شریعت میں متعہ حلال ہے اور پیغمبر اکرم (ص)، خلیفہ اول اور حضرت عمر کے دور کے کچھ حصے میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ پھر خلیفہ دوم نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس پر پابندی لگادی۔ (الغدیر، ج ۳ ص ۳۳۲)۔

اس بات میں شک نہیں ہے کہ بہت سے دوسرے احکام کی طرح اس اسلامی حکم

میں بھی اہلسنت کے راویوں کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دور میں نسخ ہوچکا ہے۔ بعض خلیفہ دوم کے دور میں ان کے نسخ کے قائل ہیں اور بعض مکمل طور پر اس کا انکار کرتے ہیں۔ فقہی مسائل میں اس طرح کا اختلاف موجود ہے۔ لیکن شیعہ فقہاء میں اس کے جائز ہونے پر اتفاق رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت (ص) کے دور میں منسوخ نہیں ہوا اور آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد نسخ ناممکن ہے۔

بہرحال میرا عقیدہ ہے کہ: اگر متعہ سے غلط استفادہ نہ کیا جائے تو یہ ان جوانوں کے سلسلے میں بعض معاشرتی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے جو دائمی شادی نہیں کرسکتے۔ یا جو تجارتی، اقتصادی، تعلیمی یا دیگر وجوہات کے باعث کچھ عرصے کیلئے اپنے گھر والوں سے دور رہتے ہیں۔ متعہ کی مخالفت اس طرح کے افراد میں برائی کا راستہ کھول دے گی۔ خاص کر ہمارے دور میں جس میں مختلف اسباب کی وجہ سے دائمی نکاح کرنے کی عمر بڑھ گئی ہے اور دوسری طرف سے جنسی شہوت کو ابھارنے والے اسباب بہت زیادہ ہوچکے ہیں۔ اگر اس راستے پر پابندی لگا دی جائے تو یقینی طور پر برائی کا راستہ کھل جائے گا۔

ہم یہ بات دوبارہ دہراتے ہیں کہ ہم اس اسلامی حکم سے ہر قسم کا غلط استفادہ کرنے، اسے شہوت پرست افراد کے ہاتھوں کھلونا قرار دینے اور عورتوں کو بدکاری کی طرف دھکیلنے کے مخالف ہیں۔ لیکن کسی قانون سے بعض شہوت پرست افراد کے غلط فائدہ اٹھانے کے بہانے خود اس قانون پر پابندی نہیں لگنی چاہئے بلکہ اس غلط کے استعمال پر پابندی لگنی چاہئے۔

## ۷۴۔ تاریخ تشیع

ہمارا عقیدہ ہے کہ: تشیع کی بنیاد پیغمبرؐ کے دور میں آنحضرتؐ کی احادیث کے

باعث بنی۔ اس مطلب پر ہمارے پاس بڑے واضح ثبوت موجود ہیں۔

بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ: "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیرالبریۃ" یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے وہ (خدا کی) بہترین مخلوق ہیں (سورہ بینہ، آیت ۷) کے ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ ہیں۔

مشہور مفسر سیوطی نے در المنثور میں ابن عساکر سے اور اس نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ہم پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ علیؑ ہماری طرف آئے۔ جب آنحضرتؐ کی نگاہ ان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا۔ "و الذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ" یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ اور اس کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ" اس کے بعد جب حضرت علیؑ اصحاب کی محفل میں آتے تو وہ یہ کہتے تھے۔ "جاء خیر البریۃ"۔ (خدا کی مخلوق کا سب سے بہترین فرد آگیا)۔ (الدر المنثور، ج ۶ ص ۳۷۹)

ابن عباس، ابو برزہ، ابن مردویہ اور عطیہ عوفی سے بھی یہی بات (مختصر سے فرق کے ساتھ) منقول ہے۔ (مزید معلومات کیلئے پیام قرآن جلد ۹ صفحہ ۲۵۹ اور مابعد کی طرف رجوع کریں)۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ علیؑ سے محبت رکھنے والوں کیلئے لفظ "شیعہ" کا انتخاب نبی اکرمؐ کے دور میں ہی ہوگیا تھا۔ یہ نام انہیں پیغمبر اکرمؐ نے عطا کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عصر خلفاء یا عصر صفویہ وغیرہ میں انہیں یہ نام ملا ہو۔

اگرچہ ہم دوسرے اسلامی فرقوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ایک ہی

صف میں کھڑے ہو کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ایک ہی جگہ پر ایک ہی وقت میں حج ادا کرتے ہیں اور اسلام کے مشترکہ اہداف کیلئے تعاون کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارا عقیدہ ہے کہ علیؑ کے ماننے والے بعض خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان پر نبی اکرمؐ کی خاص توجہ تھی اور نظر کرم تھا۔ اس لئے ہم نے اس مکتب کی پیروی اختیار کی ہے۔

شیعوں کے بعض مخالفین اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ اور عبداللہ ابن سبا کے درمیان رابطے کی کڑیاں ملائیں۔ وہ ہمیشہ یہ بات دہراتے ہیں کہ شیعہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں جو حقیقت میں یہودی تھا اور بعد میں اسلام لایا تھا۔ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کیونکہ شیعوں کی تمام کتابوں کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے افراد اس شخص سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس شیعوں کی تمام رجالی کتب میں عبداللہ بن سبا کو ایک گمراہ اور منحرف شخص قرار دیا گیا ہے۔ ہماری بعض روایات کے مطابق حضرت علیؑ نے اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔ (۱)

علاوہ ازیں تاریخی حوالے سے عبداللہ بن سبا کا وجود ہی مشکوک ہے۔ بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی اور افسانوی شخصیت ہے اور اس نام کا شخص حقیقت میں موجود نہیں تھا۔ چہ رسد باین کہ وہ مذہب شیعہ کا بانی ہو۔ (۲) بالفرض اگر ہم اس کو ایک فرضی انسان نہ بھی سمجھیں تب بھی ہماری نظر میں وہ ایک گمراہ اور منحرف شخص تھا۔

---

۱۔ "تنقیح المقال فی علم الرجال" (عبداللہ بن سبا کے ذکر میں) اور علم رجال میں شیعوں کی دیگر مشہور و معروف کتب کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ کتاب عبداللہ بن سبا' مصنفہ علامہ مرتضیٰ عسکری۔

## ۷۵۔ شیعیت کے مراکز

یہ نکتہ اہمیت کا حامل ہے کہ شیعوں کا مرکز ہمیشہ ایران نہیں رہا بلکہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہی اس کے متعدد مراکز تھے جن میں کوفہ، یمن بلکہ خود مدینہ بھی شامل ہیں۔ شام میں بنی امیہ کے زہریلے پروپیگنڈے کے باوجود بھی شیعوں کے بہت سے مراکز موجود تھے، اگرچہ ان کی وسعت عراق میں موجود شیعہ مراکز کے برابر نہ تھی۔

مصر کی وسیع سرزمین میں بھی ہمیشہ شیعوں کی مختلف جماعتیں آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ فاطمی خلفاء کے دور میں تو مصر کی حکومت بھی شیعوں کے ہاتھ میں تھی۔ (۲)

---

۲۔ بنی امیہ کے دور میں شام کے شیعہ ہولناک دباؤ کا شکار تھے۔ بنی عباس کے دور میں انہیں آرام نصیب نہیں ہوا یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے لوگ بنی امیہ اور بنی عباس کے زندانوں میں چل بسے۔ کچھ لوگ مشرق کی طرف چلے گئے اور بعض مغرب کی طرف۔ ادریس بن عبداللہ بن حسن مصر چلے گئے اور وہاں سے مراکش چلے گئے۔ مراکش کے شیعوں کی مدد سے انہوں نے ادریسی سلسلہ حکومت کی بنیاد رکھی جو دوسری صدی کے آخر سے لیکر چوتھی صدی کے آخر تک قائم رہی اور مصر میں شیعوں کی ایک اب بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں شیعہ مسلمان موجود ہیں۔ مثلاً سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں شیعوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور دیگر اسلامی فرقوں سے ان کے اچھے تعلقات ہیں۔ اگرچہ اسلام کے دشمنوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ شیعہ مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان دشمنی، عداوت، بدبینی اور غلط فہمیوں کے بیج

ہوئیں۔ ان کے درمیان اختلاف اور جھگڑے کی آگ بھڑکائیں اور دونوں کو کمزور کرتے چلے جائیں۔

بالخصوص آج جبکہ اسلام، مادیت کے علمبردار مشرقی و مغربی طاقتوں کے مقابلے میں عالمگیر طاقت کے طور پر ابھر رہا ہے اور دنیا کے لوگوں کو جو مادی تہذیبوں سے مایوس

---

اور حکومت بنی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو امام حسین علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کہتے تھے۔ مصر کے لوگوں میں ایک شیعی حکومت کی تشکیل کیلئے آمادگی پا کر انہوں نے یہ کام کیا۔ چوتھی صدی ہجری سے باقاعدہ طور پر یہ حکومت تشکیل پائی۔ انہوں نے شہر "قاہرہ" کی بنیاد رکھی۔ فاطمی خلفاء کی کل تعداد چودہ ہے۔ ان میں سے دس خلفاء کا مرکز حکومت مصر تھا۔ تقریباً تین صدیوں تک انہوں نے مصر اور افریقہ کے دوسرے علاقوں پر حکومت کی۔ مسجد جامع الازہر اور الازہر یونیورسٹی انہوں نے بنائی۔ فاطمیوں کا نام فاطمہ زہرا سے ماخوذ ہے۔

(دیکھئے دائرۃ المعارف دھخدا، دائرۃ المعارف فرید وجدی، المنجد فی الاعلام، لفظ "فطم" و "زہر")۔

ہوگئے ہیں اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے، اسلام کے دشمنوں کی امیدوں کا سب سے بڑا سہارا یہ ہے کہ مسلمانوں کی طاقت کمزور کرنے اور دنیا میں اسلام کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کیلئے مذہبی اختلاف پھیلائیں اور مسلمانوں کو آپس میں الجھا دیں۔ بے شک اگر تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والے بیدار اور آگاہ رہیں تو اس خطرناک سازش کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کی طرح شیعوں کے بھی متعدد فرقے ہیں۔ لیکن سب سے مشہور اور معروف شیعہ اثناء عشری ہیں جن کی تعداد شیعیان جہان میں سب سے زیادہ ہے۔ اگرچہ شیعوں کی صحیح تعداد اور دنیا کے مسلمانوں میں ان کا تناسب واضح نہیں ہے لیکن کچھ اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد بیس کروڑ سے لیکر تیس کروڑ کے لگ بھگ ہے جو دنیا کی مسلم آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔

## ۷۶۔ میراث اہل بیت

اس مکتب فکر کے ماننے والوں نے آئمہ اہل بیت کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں نیز حضرت علیؑ اور دوسرے اماموں سے بھی بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں جو آج شیعی تعلیمات اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ماخذ ہیں۔ ان احادیث پر مشتمل کتابوں میں سے چار کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ اصول کافی
۲۔ من لایحضرہ الفقیہ
۳۔ تہذیب الاسلام اور
۴۔ استبصار



لیکن اس بات کو دہرانا ضروری ہے کہ ان مشہور مآخذ یا دوسرے معتبر مآخذ میں کسی حدیث کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث اپنی جگہ معتبر ہے۔ بلکہ ہر حدیث کا ایک سلسلہ سند ہے۔ سند میں مذکور ہر راوی کا جائزہ کتب رجال کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔ اگر سند کے تمام اشخاص قابل اعتماد ثابت ہوں تو اس وقت وہ حدیث ایک معتبر حدیث کی حیثیت سے پہچانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ حدیث مشکوک یا ضعیف کہلائے گی۔ یہ کام صرف علمائے حدیث اور رجال کے بس کی بات ہے۔

---

۱۔ مقدمہ صحیح مسلم اور فتح الباری فی شرح صحیح البخاری کی طرف رجوع کریں۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ کتب شیعہ میں احادیث کی جمع آوری کا طریقہ کار اہل سنت کے معروف مآخذ سے مختلف ہے۔ کیونکہ مشہور کتب صحاح خاص کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کے مولفین کی روش یہ رہی ہے کہ وہ ایسی احادیث جمع کریں جو ان کے نزدیک صحیح اور معتبر ہوں۔ اسی وجہ سے اہل سنت کے عقائد تک رسائی کیلئے ان میں مذکور احادیث پر استناد کیا جاسکتا ہے۔ (۱) جبکہ شیعہ محدثین کا موقف یہ رہا ہے کہ اہل بیتؑ سے منسوب تمام احادیث اکھٹی کر دی جائیں پھر صحیح اور غیر صحیح احادیث کی پہچان کا کام علم رجال کے سپرد کر دیا جائے۔ غور کیجیے۔



## ۷۷۔ دو عظیم کتابیں

شیعوں کے اہم مآخذ (جو ان کے عظیم ورثے کا ایک حصہ محسوب ہوتے ہیں) میں سے ایک نہج البلاغہ ہے جس میں تقریباً ایک ہزار سال پہلے شریف رضی مرحوم نے تین حصوں میں حضرت علیؑ کے خطبات، خطوط اور مختصر فرمودات جمع کیے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین اس قدر بلند اور الفاظ اتنے خوبصورت ہیں کہ کسی بھی مکتب فکر کا پیروکار جب اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے بلند مفاہیم سے متاثر ہوجاتا ہے۔ اے کاش نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اس سے آشنا ہوتے تاکہ وہ توحید، مبداء، اور معاد کے علاوہ اخلاقی و سیاسی اور معاشرتی مسائل کے بارے میں اسلام کی عظیم تعلیمات سے آگاہ ہوتے۔

ان عظیم ورثوں میں سے ایک اور عظیم ورثہ صحیفہ سجادیہ ہے جو بہترین، فصیح

ترین اور زیباترین دعاؤں کا ایسا مجموعہ ہے جو بڑے عمیق اور بلند معانی پر مشتمل ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب نہج البلاغہ والا کردار ایک دوسرے انداز میں انجام دے رہا ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے میں انسان کیلئے ایک نیا سبق پوشیدہ ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب خدا کے حضور ہر انسان کو دعا اور مناجات کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ اور انسان کی روح اور دل کو نورانیت اور پاکیزگی عطا کرتی ہے۔

جیساکہ اس کتاب کے نام سے واضح ہے یہ کتاب شیعوں کے چوتھے امام حضرت علیؑ ابن الحسینؑ جن کا لقب سجاد ہے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ جب بھی ہم اپنے اندر دعا کی روح، خدا کی طرف زیادہ توجہ اور اس کی ذات پاک سے عشق پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ دعائیں پڑھتے ہیں اور اس نوخیز پودے کی طرح جو بہار کے بابرکت بادلوں سے سیراب ہوتا ہے اس کتاب سے سیراب ہوتے ہیں۔

شیعہ احادیث جن کی تعداد دسیوں ہزار ہے کا بیشتر حصہ پانچویں اور چھٹے امام یعنی حضرت محمد بن علی الباقرؑ اور حضرت جعفر بن محمد الصادقؑ سے مروی ہیں۔ بہت سی احادیث آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تین عظیم ہستیوں کو زمان و مکان کے حوالے سے ایسا ماحول ملا جس میں ان پر دشمنوں اور اموی و عباسی حکمرانوں کا دباؤ کم تھا۔ اسی وجہ سے یہ ہستیاں رسول اکرمؐ کی بہت ساری احادیث جو ان تک اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے پہنچی تھیں بیان کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ یہ احادیث اسلامی فقہ کے تمام ابواب سے متعلق تھیں۔ مذہب شیعہ کو مذہب جعفری کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی اکثر روایات چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ سے مروی ہیں۔ امام صادقؑ کے دور میں بنی امیہ کی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور بنی عباس کو ہنوز لوگوں پر دباؤ ڈالنے کی طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔

ہماری کتابوں کی رو سے مشہور ہے کہ اس امام نے حدیث، معارف اور فقہ کے میدانوں میں چار ہزار شاگردوں کو تربیت دی۔ حنفی مذہب کے مشہور امام ابوحنیفہ نے ایک مختصر سے جملے میں امام جعفر صادقؑ کا تعارف اس طرح پیش کیا ہے: "ما رایت افقہ من جعفر بن محمد (ع)" یعنی میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (۱)

اہلسنت کے ایک اور امام مالک بن انس نے کہا: میں کچھ عرصے تک جعفر بن محمدؑ کے پاس آتا جاتا رہا۔ میں نے انہیں ہمیشہ ان تین حالتوں میں سے ایک میں پایا: یا نماز کی حالت میں یا روزے کی حالت میں یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے۔

---

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی، جلد ۱ صفحہ ۱۲۶۔

میرے عقیدے کے مطابق علم و عبادت کے حوالے سے کسی نے جعفر بن محمد الصادق سے بڑھ کر کسی شخص کو نہ دیکھا اور نہ کسی کے بارے میں سنا ہے۔ (۱) چونکہ اس کتاب میں نہایت اختصار کے ساتھ مطالب کو بیان کرنا مقصود ہے لہذا آئمہ اہل بیتؑ کی شان میں دوسرے علماء اسلام کے تبصروں کا تذکرہ نہیں کرتے۔



## ۷۸۔ اسلامی علوم میں شیعوں کا کردار

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی علوم کو وجود بخشنے میں شیعوں کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیعہ، علوم اسلامی کا سرچشمہ ہیں۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں کتاب یا کتابیں لکھی گئی ہیں اور ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ کم از کم ان علوم کو وجود لانے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس بات کی سب سے بڑی دلیل وہ کتابیں ہیں جو شیعہ علماء نے مختلف اسلامی علوم اور فنون کے بارے میں لکھی ہیں۔ فقہ

---

۱۔ تہذیب التہذیب، جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

(کتاب الامام الصادق، جلد ۱ صفحہ ۵۳ میں اسد حیدر کے بقول)۔

اور اصول فقہ میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں کچھ بہت زیادہ مفصل اور بے نظیر ہیں۔ تفسیر اور قرآنی علوم میں ہزاروں کتابیں، عقائد اور علم کلام میں ہزاروں کتابیں اور دوسرے علوم میں ہزاروں کتابیں شیعوں نے لکھی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابیں اب بھی ہماری لائبریریوں اور دنیا کی مشہور لائبریریوں میں موجود ہیں اور سب لوگوں کے سامنے ہیں۔ ہر شخص ان لائبریریوں کی طرف رجوع کر کے اس دعوے کی صداقت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

ایک مشہور شیعہ عالم دین نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی ہے اور ۲۶ بڑی بڑی جلدوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

یہ فہرست دسیوں سال پہلے مرتب ہوئی۔ آخری عشروں کے دوران ایک طرف سے گزشتہ شیعہ علماء کے علمی آثار کو زندہ کرنے نیز ان کی قلمی اور چھاپ شدہ کتابوں کو جمع کرنے کی بڑی کوششیں ہوئی ہیں۔ دوسری طرف سے جدید کتابوں کی تصنیف و تالیف کے میدان میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ سینکڑوں یا ہزاروں نئی کتابیں رشتہ تحریر میں لائی جاچکی ہیں۔ اگرچہ ان کتابوں کے اعداد و شمار کے بارے میں ہم نے کوئی محتاط فہرست مرتب نہیں کی ہے۔

---

۱۔ اس کتاب کا نام الذریعہ الی تصانیف الشیعۃ ہے۔ اس کے مصنف مشہور مفسر اور محدث شیخ آقا بزرگ تہرانی ہیں۔ اس عظیم فہرست میں جن کتابوں کا تذکرہ ان کے مصنفین کے نام پتے اور ان کے حالات کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کی تعداد ۶۸ ہزار جلدیں ہیں۔ یہ کتاب ایک عرصہ پہلے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

## ۷۹۔ سچائی، صداقت اور امانت، اسلام کے مہم ارکان

ہمارا عقیدہ ہے کہ سچائی، صداقت اور امانت اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان میں سے ہیں۔ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: "قال اللہ ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم" یعنی خدا فرماتا ہے آج وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کی سچائی انھیں فائدہ پہنچائی گی۔

(سورہ مائدہ، آیت ۱۱۹)

بلکہ قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حقیقی جزا وہ ہے جو انسان کو سچائی اور صداقت (ایمان، خدا کے ساتھ کئے گئے وعدوں پر عمل اور زندگی کے تمام شعبوں میں سچائی اور صداقت) کے بدلے میں عطا کی جائے گی۔ "لیجزی اللہ الصادقین بصدقھم". (سورہ احزاب آیت ۲۴)۔

جیساکہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے قرآن کے حکم کے مطابق ہم سب مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم زندگی بھر معصومین اور سچوں کے ساتھ رہیں اور ان کے ہمراہ چلیں۔ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین". (سورہ توبہ، آیت ۱۱۹)

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہی خدا نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ خدا سے ہر کام کو صداقت کے ساتھ شروع کرنے اور صداقت کے ساتھ اس سے فارغ ہونے کی توفیق طلب کرے۔ "و قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق". (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۰)۔

اسی بناء پر ہم احادیث میں دیکھتے ہیں کہ خدا کیطرف سے کوئی نبی مبعوث نہیں

ہو مگر یہ کہ اس کے بنیادی لائحہ عمل میں صداقت، سچائی اور امانت شامل تھیں۔ "ان اللہ عزوجل لم یبعث نبیا الا بصدق الحدیث واداء الامانۃ الی البر والفاجر"۔ (۱)

---

۱۔ بحار الانوار میں یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق (ع) ہے۔
(دیکھئے جلد ۶۸ صفحہ ۲ اور نیز جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)۔

ہم نے بھی ان آیات اور روایات کی روشنی میں اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کی ہے کہ اس کتاب کے مباحث میں صرف اور صرف صداقت و سچائی کا راستہ اپنائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو حقیقت اور امانت داری کی منافی ہو۔ امید ہے کہ خدا کے لطف و کرم سے ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں خدا کی توفیق حاصل کر چکے ہوں گے۔ انہ ولی التوفیق۔



## ۸۰۔ حرف آخر

اس کتاب میں ذکر شدہ باتیں اسلام کے اصول و فروع کے بارے میں اہل بیت کے معتقدین اور شیعوں کے عقائد کا خلاصہ ہے۔ یہ کسی کمی بیشی اور تحریف کے بغیر بیان ہوئی ہیں۔ قرآنی آیات، اسلامی روایات اور علمائے اسلام کی مختلف کتابوں سے ان کا ثبوت بھی اجمالی طور پر فراہم کر دیا گیا ہے، اگرچہ ابحاث کے اختصار اور تلخیص کے پیش نظر تمام شواہد اور دلائل کو پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کتاب میں ہمارا مقصد بھی اجمالی طور پر اور اختصار کے ساتھ مطالب کو بیان کرنا تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب مندرجہ ذیل نتائج کی حامل ہے۔

۱۔ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شیعہ عقائد کو واضح اور موثر انداز میں بیان کرتی ہے۔

تمام اسلامی فرقے یہاں تک کہ غیر مسلم بھی اس مختصر سے کتابچے کا مطالعہ کر کے شیعہ مذہب کے ماننے والوں کے عقائد سے براہ راست اجمالی طور پر آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کی تدوین میں بہت زیادہ زحمت اٹھائی گئی ہے۔

۲۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کیلئے اتمام حجت کا باعث ہو سکتی ہے جو سمجھے اور جانے بغیر ہمارے عقائد کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں نیز مشکوک اور مفاد پرست افراد یا غیر معتبر کتابوں سے ہمارے عقائد لیتے ہیں۔

۳۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مذکورہ بالا عقائد کے مطالعے کی روشنی میں اس مکتب فکر کے ماننے والوں اور باقی اسلامی فرقوں میں اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے جو اس فرقے اور باقی اسلامی فرقوں کے درمیان مشترک تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنے، کیونکہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان مشترک نکات بہت زیادہ ہیں اور سب کو مشترک دشمنوں کا بھی سامنا ہے۔

۴۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی فرقوں کے اختلافات کو ہوا دینے اور ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کی آگ بھڑکانے کیلئے خفیہ ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام (جو اس دور میں دنیا کے عظیم خطوں پر چھاتا جا رہا ہے اور کمیونزم کی بربادی سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے والا ہے نیز سرمایہ دارانہ نظام کی روز بروز بڑھتی ہوئی لاینحل مادی مشکلات کو حل کرنے والا ہے) کو کمزور کریں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ اس کام میں کامیاب ہوں اور یہ قیمتی موقع ہاتھ سے نکل جائے جو دنیا میں اسلام کی شناخت کیلئے ان کے ہاتھ آیا ہے۔

۵۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اسلامی فرقوں کے علماء اکھٹے ہو جائیں اور محبت و خلوص سے

معمور ماحول میں ہر قسم کے تعصب اور ہٹ دھرمی کو بالائے طاق رکھ کر اختلافی مسائل پر بحث و گفتگو کریں تو ان اختلافات کے کم ہوجانے کا بہت زیادہ امکان ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے اختلافات ختم ہوجائیں گے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اختلافات میں کمی آئے گی۔ جس طرح کچھ عرصہ پہلے ایران کے بعض شیعہ اور سنی علماء زاہدان نامی شہر میں متعدد دفعہ مل بیٹھے اور بعض اختلافات کا خاتمہ کردیا۔ اس کی تفصیل اس مختصر سی کتاب کے دامن میں نہیں سما سکتی۔ (۱)

آخر میں ہم خداوند متعال کی بارگاہ میں دعا کیلئے ہاتھ بلند کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: "ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم"۔ یعنی خدایا ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے اور ہمارے دلوں پر ایمان والوں کیلئے کسی قسم کا کینہ قرار نہ دینا۔ اے ہمارے پروردگار بے شک تو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (سورہ حشر، آیت ۱۰)



---

۱۔ اس کی تفصیلات "پیام حوزہ علمیہ قم" نامی رسالے میں ملاحظہ ہوں۔